ہر کتابی ضرورت کے وقت کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کو ہمیشہ یاد رکھیے۔ آپ کا فائدہ ہوگا۔

۷۸۶

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر

الحمد للہ والمنۃ کہ

رسالۂ نافعہ

بے مسمّٰی

تصفیۃ العقائد

از

حضرت عالم ربانی امام صمدانی تاج الاصفیاء والاذکیاء مولٰنا

حاجی حافظ محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ

جس کو

(مولوی) سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے باہتمام خاص

چھپوایا

کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے شائع کیا

قیمت ۔۔۔۔ ۶/

خط سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی۔

جناب پیر جی صاحب مخدوم مکرم سلامت!

بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ بزرگان سہارنپور نے جو نوازش و دلسوزی میرے حال زار پر کی جس کا ذکر آپ نے مجھ پر فرمایا میں دل سے اُن کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لادیں تو میری سعادت ہے میں اُن کی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھوں گا۔ مگر اس وقت مرزا غالب کا ایک شعر مجھے یاد آیا وہو ہذا ؎

حضرتِ ناصح جو آویں دیدہ و دل فرشِ راہ　　کوئی مجھ کو یہ تو سمجھاؤ کہ سمجھائیں گے کیا۔

جنابِ من! میری تمام تحریریں جن کے سبب میں کافر و مرتد ٹھہرا ہوں اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے ساتھ کفر جمع ہوا ہے جو میرے نزدیک محالات سے ہے چند اصول پر مبنی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان اصولوں کو بزرگان سہارنپور کی خدمت میں بھیجیں اگر اُن میں کچھ غلطی ہو تو بلاشبہ نصیحت ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا نہ ہو کہ ناصح ہی مجھ سے ہو جائیں۔ اور وہ اصول یہ ہیں۔

اول۔ خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے۔

دوم۔ اس کا کلام اور جس کو کہ اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ قرآن مجید بلاشبہ کلام الٰہی ہے کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے نہ خلاف واقعہ

چہارم۔ قرآن مجید کی جس قدر آیات کہ ہم کو بظاہر خلافِ حقیقت یا خلاف واقع معلوم ہوتی ہیں دو حال سے خالی نہیں یا تو اُن آیات کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوتی ہے یا جس کو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے اس کے برخلاف کسی محدث یا مفسر کا قول قابل تسلیم نہیں ہے۔

پنجم جس قدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے اگر ہو تو کوئی آیت قرآن مجید کی بطور یقین قابل عمل نہیں رہتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو فقط نہ ملنا کسی آیت کا اُس کی عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

ششم۔ کوئی انسان سوائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل بلا سند قول فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو۔ یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو یکسے برخلاف اعتقاد رکھنا رکن فی النبوۃ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جس طرح عام انسانوں اور پیغمبر میں تفاوت ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی تفاوت ہے۔

ہفتم۔ دینیات میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز۔ اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہیں۔

ہشتم۔ احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی و قیاسی سب ظنی ہیں۔

نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہ ہوں مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں۔

دہم افعال ماموره فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص حسن یا قبیح کے بتانے والے ہیں۔ جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر و نفع سے مطلع کردے اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیئے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو۔

یازدہم۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجھا کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھیر سکے گا۔

دوازدہم۔ وہ قویٰ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کئے ہیں اُن میں وہ قویٰ بھی ہیں جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے۔ مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قویٰ کو کس کس طور پر کام میں لاوے گا۔ اُس کے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا مگر اُس سے انسان اُن قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے اس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا۔

سیزدہم۔ دین احکام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں فقط۔

چہاردہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ بالکل فطرت کے مطابق ہیں دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے

پانزدہم۔ تمام افعال واقوال رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت
رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے۔ مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہی
جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنی سمجھے ہیں۔ یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت سچا نہ ہو
مگر مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اس کو کہدیا یا کرلیا۔ اگرچہ ان کے سوا اور چند اصول بھی ہیں مگر آجتک
جو کچھ تحریر ہوئی ہے وہ اکثر یا قریب کل کے سوائے ایک آدھ مسئلہ کے انہیں اصول پر مبنی ہے بس
اگر بزرگان سہارنپور ان اصول کی غلطی سے مجھے مطلع فرماویں گے میں دل وجان سے شکر ادا کرونگا والسلام
سید احمد

جواب از طرفِ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجموعۂ عنایات پیر جی محمد عارف صاحب۔ السلام علیکم وعلی من لدیکم!

آج بندہ درگاہ دلی سے میرٹھ واپس آیا تو مولوی محمد ہاشم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کا عنایت نامہ
جو آیا رکھا تھا عنایت فرمایا کھولا تو آپ کا خط اور جناب سید احمد خان صاحب کی ایک بڑی تحریر اندر سے
نکلی۔ شاید یہ قصہ اس گفتگو کا نتیجہ ہے جو آخر ماہ شوال میں بمقام انبہٹہ مابین احقر وجناب ہوئی تھی۔ سید صاحب
کی تحریر سے کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے میرے آنے کا کچھ تذکرہ ان سے کیا ہوگا مگر مجھ کو یاد نہیں آتا کہ آپ نے
کس بات سے سمجھا ہوگا اس وقت کی عرض معروض کا ماحصل فقط اتنا ہی تھا کہ سید صاحب کی ہاں میں
ہاں ملانا ہم سے جبھی متصور ہے کہ سید صاحب اپنے ان اقوال مشہورہ سے رجوع کریں جو ان کی نسبت
ہر کوئی گاتا پھرتا ہے۔ اور سید صاحب ان پر اصرار کئے جاتے ہیں اور رجوع نہیں فرماتے مگر آپ جانتے ہیں
کہ یہ گذارش میری طرف سے آپ کی اس استدعا کے جواب میں تھی جو آپ نے دربارۂ شمول حال جناب سید صاحب
اس ناکام سے کی تھی۔ بہرحال آنے جانے کا کچھ مذکور نہ تھا۔ آپ ہی فرمائیں کہ ہم سے گرفتاروں کو اتنی تالی کہاں
کہ بنارس غازیپور اُڑ جائیں اور ہم سے بیچاروں کو اتنی رسائی کہاں کہ سید صاحب کے درِ دولت تک نوبت
پہنچائیں اپنا مبلغ پرواز میرٹھ حد نہایت دلی ہے۔ تس پر نقار خانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے کیا آپ کے خیال
میں یہ بات آسکتی ہے کہ صدر الصدور اعظم ایک غریب سے مزدور کے طور پر ہو جائیں۔ اجی حضرت امیروں

ذہن و فہم و عقل و ادراک کے ہزاروں گواہ ہوتے ہیں غریبوں کے فہم و فراست کا کہیں ایک بھی نہیں سنا اس صورت میں کیوں کر کہدیجئے کہ سید صاحب ایک غریب شہزادہ کی مان جائیں ؎

کب وہ سنتے ہیں کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہم سے شکستہ حالوں کی باتوں پر موافق مصراع غالب ع میں کہوں گا حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا ایسے عالی مراتب دانشمند ہرگز توجہ نہیں فرمایا کرتے بایں ہمہ ایسی چھیڑ چھاڑوں میں کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ادنیٰ نے بھی کسی اعلیٰ کی مانی ہو اس صورت میں ایسی بیکسی کی کیا امید باندھئے۔

پیر جی صاحب یہ گمنام کبھی کسی سے نہیں اُلجھتا اور اُلجھے بھی تو کیوں کر اُلجھے وہ کونسی خوبی ہے جس پر کمر باندھ کر لڑنے کو تیار ہو۔ ایسی کیا ضرورت ہے کہ اپنے عمدہ مشاغل چھوڑ کر اس نفسا نفسی میں پھنسوں ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ سُنی سنائی سید صاحب کی اولو العزمی اور درد مندی اہل اسلام کا معتقد ہوں اور اس وجہ سے اُن کی نسبت اظہار محبت کروں تو بجا ہے مگر اتنا یا اس سے زیادہ اُن کے فساد عقائد کو سن سنکر اُن کا شاکی اور اُن کی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں مجھ کو اُن کی کمال دانش سے یہ امید تھی کہ میرے اس رنج کو ثمرہ محبت سمجھکر تہ دل سے اپنے اقوال میں مجھ سے استفسار کریں گے بایں خیال کہ ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط بر ہدف زند تیرے

اس طرف کو دل لگائیں مگر ان کی اس تحریر کو دیکھ کر دل سرد ہو گیا یقین ہو گیا۔ کہ کوئی کچھ کہو وہ اپنے ہی کہے جائینگے اُن کی انداز تحریر سے یہ بات نمایاں ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا سمجھتے ہیں کہ کبھی غلط نہ کہیں گے اِس لئے جی میں یہ آتا ہے کہ قلم ہاتھ سے ڈال دیجئے مگر کیا کروں آپ کا تقاضا جداجان کو کھائے جاتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد جدا ہی ڈراتا ہے۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ جب بے کہے نہ بنی تو قلم کو روک روک کر کچھ مختصر مختصر ایک بار عرض کر دینا مناسب جانا اور جی میں یہ ٹھانا کہ ہرچہ بادا باد پھر قلم نہ اٹھانا کہیں مدلل کہیں بے دلیل ایکبار تو اپنے مافی الضمیر کو لکھ کر روانہ کرائیے۔ اگر سید صاحب نے انصاف فرمایا تو پھر بھی دیکھا جائیگا ورنہ اپنے حق میں کوئی جابر نہیں جو مجبوری کا اندیشہ ہو۔ بہرحال بترتیب اصول مسطورہ سید صاحب یہ عرض معروض ہے

جوابِ اصلِ اوّل - اول واقعی خدا واحد ذو الجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے فاعل ہوں یا افعال اور افعال بھی اختیاری ہوں یا اضطراری اور یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال کو مالک کائنات اور کائنات کو اُس کا مملوک سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اسباب انتقالِ ملک اگرچہ متعدد ہوں پر علت حدوث ملک

فقط قبضہ ہے جو خالق میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے کون نہیں جانتا کہ وجود ممکنات مستعارہ عرضی ہے جس کے لئے معطی اور موصوف بالذات وہی موجود برحق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صفات عرضیہ عین حالت عروض میں موصوف بالذات ہی کے قبضہ میں رہتی ہیں نکل نہیں جاتیں دیکھ لیجیے وقت تنویر ارض بھی نور آفتاب ہی کے قبضہ میں رہتا ہے نکل نہیں جاتا اِس لئے تمام کائنات پر ہر قسم کے حکم احکام کا اختیار رکھتا ہے کسی دوسرے کے ملک کی ہوتی تو البتہ اُس کی اجازت جناب باری کے لئے ایک پیمانہ تصرف ہو سکتا تھا۔ باقی رہا حسن و قبح کا جھگڑا اُس کا مبنیٰ اگر اسی حکم پر ہے تب تو خیر ہر حکم حسن ہے ورنہ مراعات حسن و قبح دربارۂ امر و نہی بوجہ مجبوری نہیں بوجہ حکمت و فضل ہے۔

جوابِ اصلِ دوم۔ دوم کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور مخالفِ واقع نہیں ہو سکتا ایسی ہی حقیقت اور واقعہ کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی طرف رجوع کیا جائے سو اگر کوئی طریقہ دربارۂ اخبار واقع و حقیقت مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلہ سے اُس کی تغلیط کر سکیں گے۔ پر کلام اللہ اور احادیث کی تغلیط اُس طریقہ کے بھروسہ نہیں کر سکتے اس صورت میں اگر اشارۂ عقل معارض اشارہ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ نمونہ صحت اور سقم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ برعکس علیٰ ہٰذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ و حدیث کو جو باعتبار قواعد صرف و نحو دلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اس پر مطابق کریں اگر کھینچ کھانچ کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہ ہو کہ اپنے خیالات واوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ و حدیث کو کھینچ تان کر اُس پر مطابق کریں۔

جوابِ اصلِ سوم۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید کا کوئی کلمہ خلاف واقع نہیں مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کبریٰ کلیہ کے لئے کوئی صغریٰ جزئیہ بوسیلہ عقل دریافت کر لینا ہم سے ہیچمدانوں کا تو کیا حوصلہ جناب سید صاحب اور مولوی مہدی علی خان صاحب کا بھی کام نہیں یعنی بوسیلہ عقل یوں نہیں کہہ سکتے کہ ھٰذَا حَقِیْقَۃٌ اَوْ وَاقِعٌ اور کہیں تو نا وقتیکہ کلام اللہ کے معنی متبادر مطابقی کے مطابق ہے تو بسر و چشم ورنہ کالائے زبون بریش خاوند۔ مگر یہ یاد رہے کہ معنی مطابقی سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی اور دلیل نقلی یا عقلی سے ایسی بات ثابت ہو جائے جو معنی مطابقی کے مخالف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں

غرض جاءَنی زیدٌ سے زید کا فقط آنا ثابت ہوگا سوار ہونے یا پیادہ آنے سے سروکار نہیں۔

جوابِ اصلِ چہارم۔ چہارم واقعی مخالف کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہے نہ کسی مفسر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائیگی مگر تخالف اور توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اس لئے تین علموں کی ضرورت ہے۔ ایک تو علم یقینی معانی قرآنی۔ دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جس کو یہ منصب خدا عطا کرے اُس کے بڑے نصیب اور یوں جاہل اور نیم ملا اس بات میں ٹانگ اڑانے لگیں تو اُن کا یہ دخل بیجا ایسا ہی ہوگا جیسے کسی طبیب حاذق کی بات میں کسی نادان یا کسی نیم طبیب کا دخل ہو۔ سو جیسے طبیب حاذق سے بوجہ خطا و نسیان ذاتی مخالفت قوانین طب کسی خاص واقع میں ممکن ہے پر ادویہ پر گرفت کرنا مریض نادان یا نیم طبیب کا کام نہیں ایسے ہی محدث اور مفسر سے مخالفت غرض قرآنی بوجہ خطا و نسیان کے ممکن ہے پر ہم سے جاہل یا ہم سے نیم ملا کا یہ منصب نہیں کہ ہم بھی اس کو دریافت کرسکیں یا درباب صحت تخالف ہمارا قول معتبر ہو سکے۔ ہاں البتہ یہ بات ممکن ہے کہ دو تفسیریں سن کر بشہادت وجدان ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح سمجھ لیں۔ اس لئے کہ بات کا نکالنا مشکل ہے پر بتلائی پر سمجھ لینا آسان ہے بہرحال ہر کارے و ہر مردے مخالفت کا سمجھ لینا ہر کسی کا کام نہیں اور بعد اطلاع مخالفت جب اکابر کے اقوال قابل قبول نہ ہوئے تو ہمارے تمہارے یا سید صاحب کے اقوال اگر مخالف کلام اللہ یا حدیث ہوں گے تو بدرجۂ اولیٰ مقبول نہ ہوں گے۔

جوابِ اصلِ پنجم۔ کسی آیت کا منسوخ الحکم ہو کر دفتین سے خارج ہوجانا وجوب عمل قرآنی میں کچھ حارج نہیں اگر ہم کو کسی آیت معلومہ کا منسوخ التلاوۃ ہوجانا معلوم ہوجائے تو ہرگز تیقن احکام واجبہ میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہاں درصورتیکہ آیت خارجہ معلوم التشخص والحکم نہ ہو تو البتہ پھر یہ احتمال ہے کہ شاید وہ حکم ناسخ ہو اور کوئی حکم احکام موجودہ میں سے منسوخ یا برعکس کہئے اس صورت میں واجب اور غیر واجب کا پہچاننا حد بشر سے خارج ہو جائے گا اور دربارۂ شناخت حق و باطل اس زمانہ کو زمانۂ جاہلیت پر چنداں تفوق نہ ہوگا۔

جوابِ اصلِ ششم۔ خداوند کریم بالذات مطاع ہے اور انبیاء بوجہ رسالت اور علماء بوجہ تبلیغ رسالت غرض خدا کو بمنزلہ بادشاہ سب کا افسر سمجھو اور انبیاء کو بمنزلہ وزراء یا نواب جنکی حکومت مستقل نہیں ہوتی بلکہ عطاء بادشاہی اور مستعار ہوتی ہے جب چاہے چھین لے اور حکام ماتحت جو زیر حکم وزراء و نواب ہوا کرتے ہیں وہ اور بھی نیچے کے درجے میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں وزراء اور نواب کے نائب ہو کر حکم رانی کیا کرتے ہیں۔ بہرحال بعضے

بالذات مطاع و حاکم کوئی نہیں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ انبیا کا مطاع ہونا اگرچہ
بالعرض کیوں نہ ہو بوجہ تیقن رسالت یقینی ہوتا ہے اور پھر بوجہ معصومیت احتمال غسل فصل نہیں ہوتا فقط
ایک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور علماء و اولیاء کی اول تو اس عہدۂ نیابت میں کلام یعنی اُن کا عالم
اور مستحق نیابت ہونا یقیناً معلوم نہیں ہوتا۔ دوسرے اگر اُن کی نیابت معلوم بھی ہو جائے۔ یعنی یقین بھی
ہو جائے کہ اس مرتبہ کے عالم ہیں تو اس میں کلام رہتی ہے کہ یہ قول اور فعل بوجہ ہوا و ہوس یا نسیان و خطا
تو صادر نہیں ہوا۔ ہاں اس قسم کے خیالات البتہ ظنی ہو سکتے ہیں یعنی جیسے بوسیلہ آثار کسی کا شجاع ہونا یا نامرد
ہونا یا سخی ہونا یا بخیل ہونا یا صادق یا کاذب ہونا یا خوش اخلاق بداخلاق ہونا یا دوست دشمن ہونا یا متقی
فاسق ہونا یا مؤمن کافر ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور وہ علم موافق قواعد معلومہ ظنی ہوتا ہے ایسا ہی کامل العلم یا ناقص
العلم ہونا یا تابع رضائے خدا یا تابع ہوا و ہوس ہونا بھی چھپا نہیں رہتا اور اس بات میں ویسا ہی یقین حاصل
ہو جاتا ہے جیسا امور مذکورہ میں مگر چونکہ اہل علم اس کو یقین نہیں کہتے بلکہ اس یقین عوام کا نام اُن کے نزدیک
ظن ہے تو احکام ظن اس پر عارض ہوں گے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حکم سے کم وجوب کے لئے ظن ضروری
تا مرتبہ شک ایجاب حکم متصور نہیں اور جب مرتبہ شک سے ترقی حاصل ہو یعنی ظن پیدا ہو جائے تو پھر
وجوب آدباتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی دو گواہ عادل سن کر اگر حکم مخالف مدعی دے تو گنہگار ہو علی ہذا القیاس
مخالفت حدیث واحد بشرط صحت موجب فسق ہے اگر در صورت ظن وجوب نہ ہوا کرتا تو اس گنہگاری اور فسق
کی کوئی وجہ نہ تھی اور ظاہر ہے کہ قاضی کو دو گواہوں سے یا سامع کو حدیث واحد سے یقین مصطلح حاصل نہیں
ہو سکتا ہاں غلبۂ ظن کہئے تو بجا ہے مگر ظن اگر موجب مراعات ہے اور سرمایۂ وجوب ہے تو جہاں دینیات میں
دو قول مختلف ہوں اور ایک کی طرف ظن غالب ہو تو موافق قاعدۂ مذکورہ جس پر قواعد شرعیہ بھی مبنی ہیں۔ اور
عقل بھی شاہد ہے وہی وجوب عائد ہوگا۔ ہاں اختلاف ظنون ممکن ہے ہو سکتا ہے کہ کسی کو ایجاب کی جانب
ظن ہو کسی کو سلب کی جانب۔ بہرحال یہ کہہ دینا کہ کسی کا قول و فعل بلا سند قابل تسلیم نہیں از روئے بیان
بالا قابل تسلیم نہیں اور کیونکر علی الاطلاق ایسی بات کہہ بیٹھے نہ تو کہنے والے کو اس بات کی گنجائش کہ اگر
کسی کا قول و فعل بلا سند معلوم قابل تسلیم نہیں تو راویوں کا یہ کہنا کہ یہ روایت قولِ خداوندی ہے یا قول نبی
صلے اللہ علیہ وسلم کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے
اگر بوجہ صداقت ظن صحت اور حسن ظن ہے تو فقہاء اور علماء نے کیا گناہ کیا ہے اُن کے ساتھ بھی

حسن ظن چاہئے۔ اگر اُن کے قول کے لئے ہم کو سند معلوم نہیں تو درباب وجود ماخذ قول مذکور فقہار
اور علمار ربانی روایت حدیث سے استحقاق حسن ظن میں کم نہیں۔
غرض فقہار درباب اقوال متخرجہ وہ منصب رکھتے ہیں۔ ایک تو یہی منصب استخراج و استنباط
دوسرے منصب روایت۔ یعنی یہ کہنا کہ اس حکم کے لئے کوئی ماخذ ہے کیونکہ یہ منصب ثانی اگر
اُن کے لئے تجویز نہ کیا جائے تو یہ معنی ہوں کہ یہ لوگ کذاب اور دروغگو تھے سو باوجود آثار صدق و
دیانت اگر کسی کو کذاب کہنا جائز ہے تو راویان حدیث صحیح کے کذاب کہدینے سے کون مانع ہے
بالجملہ فقہار و علمار ربانیین کو درباب ماخذ اگر راوی نہ سمجھا جاوے تو پھر دین کے لئے کوئی حجت ہی نہ
ملی گی۔ ہاں یہ بات مسلم کہ منصب اول میں گنجائشِ تاویل ہے۔ اس لئے احتمال ثانی بھی رہتا ہے
جس کے باعث یہ دوسرا ظن یہاں پیدا ہو گیا ہے اور اس وجہ سے متخرجہ فقہائے مسلمین وجوب متعلق احکام منصوصہ
سے رتبہ میں کم ہو گا مگر یہ کمی ایسی ہی ہو گی۔ جیسے نماز کی فرضیت اور روزہ کی فرضیت میں تفاوت کمی بیشی
ہے اس لئے یہ کہنا تو غلط کہ قابل تسلیم نہیں۔ ہاں یہ بات مسلم کہ اُس کے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا۔
انکار تو حدیث واحد کا بھی موجب کفر نہیں اگر ہے تو موجب فسق ہے سو وہی فسق یہاں بھی لازم آئیگا
بہت نہیں تھوڑا ہی سہی علیٰ ہذا القیاس یہ کہنا کہ دوسروں کے قول کو قابل تسلیم سمجھنا شرک فی النبوۃ
ہے علی الاطلاق درست نہیں۔ یہ بات جب ہے کہ کسی دوسرے کو قطع نظر اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
ایسا سمجھے کہ اس کا قول و فعل بہر نہج واجب الاتباع ہے۔
سو اس قسم کا معاملہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کرے جیسا تابعانِ رسوم آبا بمقابلہ سنن مرسلین باوجود تحقیق
ثبوت سنت و یقین بے سندی رسوم آبار کیا کرتے ہیں وہ شخص بے شک مصداق شرک فی النبوۃ
ہے اگر اپنے آبار کے ساتھ اُن کو بھی عقیدہ جو انبیار علیہم السلام کے ساتھ اُن کے پیروں کو ہونی چاہئے
تب وہ لوگ شرک حقیقی اور کافر تحقیقی ہیں ورنہ خوف تشنیع ابنار روزگار اگر فقط باعث اتباع رسوم
ہے تو اس صورت میں ایک ضعیف سا ایمان اس شرط پر متصور ہے کہ انبیار وقت کے ساتھ اعتقاد
کی نیتی رکھتا ہو۔ بہر حال اگر قائل قول و فاعلِ فعل مستحق حسن ظن ہو در ظن درباب کمال علم و دیانت
و امانت ہے اور اس امر میں اُس کے آثار اُس کے اُن دونوں کمالوں پر اسی طرح شاہد ہوں جیسے
ولاوران مشہور یا اسخیار معروف کے آثار اُن کی شجاعت و سخاوت پر شاہد تھی بلکہ اس پر اُن کی طرف

اس قول وفعل کی نسبت صراحۃً یا اشارۃً یہ دعویٰ بھی ہو کہ یہ حکم خدائے تعالیٰ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس طرف درباب علم یہ منصب نہ ہو کہ مسائل دینیہ میں یہ پہچان سکیں کہ اس موضوع و محمول میں باہم ارتباط ذاتی ہے یعنی موضوع محمول کے حق میں علت اور ملزوم ہے اور محمول اس کے حق میں معلول لازم ذات یا عرضی ہے۔ یعنی ایک دوسرے کے لئے علت و معلول ولازم ذات وملزوم ہے تو اس صورت میں قول و فعل مذکور اس شخص کے حق میں قابل تسلیم ہے۔ بلکہ اگر اس شخص کو اوروں کی نسبت اس قائل و فاعل کے ساتھ زیادہ ظن غالب ہو تو بے شک بتوافق قواعد مشار الیہا واجب التسلیم ہوگا۔ کیونکہ ہر شخص درباب دین اپنے ظن غالب کا کم سے کم محکوم ہے۔

لیکن اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ منصب مذکور کے حاصل ہونے سے پہلے خود رائی ایسی ہے جیسے اندھا بے کسی ہدایت کی رہروی اختیار کرے۔ عربی ترجمہ کر لینے سے فقط یہ بات حاصل نہیں ہو جاتی اگر کوئی شخص عربی دان حافظ کلام اللہ وحدیث بھی ہو تو کیا ہے۔ اندھا شمع کے ہاتھ میں لے لینے سے سوجھا نہیں ہو جاتا۔ اور پنساری دواؤں کے جان لینے سے طبیب نہیں بنجاتا۔

باقی تفاوت واقع فیما بین انبیاء اور علماء کرام مسلم مگر یہ تفاوت قادح وجوب مذکور نہیں۔ ورنہ وہ تفاوت جو خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام میں واقع ہے اس تفاوت سے زیادہ ہے جو پیغمبروں اور اُن کے امتیوں میں ہوتا ہے۔ سو اگر محض تفاوت موجب سقوط اعتبار ہے تو یہ بات تو دور تک پہنچتی ہے۔ اور اگر اضافت خداوندی یعنی یہ بات کہ اقوال انبیاء کرام در پردہ فرمودۂ خدا تعالیٰ ہوتے ہیں موجب وجوب اتباع ہے تو یہاں بھی یہ اضافت اپنا کام کرے گی۔ ہاں یہ مسلم کہ وہاں علم اضافت یقینی اور یہاں بوجہ احتمال خطاوغیرہ ظنی اس لئے تفاوت فی الوجوب پیدا ہوگا۔ پر شرکت فی النبوۃ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔

جواب اصل ہفتم ۔ یہ بات مسلم کہ اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں ضرور ہے لیکن اگر احکام دین اقوال نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی نام ہو تو پھر معلوم نہیں کہ اس تفریق کے کیا معنی ہونگے کہ درباب اتباع دین تو ہم مجبور ہیں پر درباب امور دنیاوی مجاز ہاں یوں کہیے کہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک مشورہ امر اگر ایجاب کے لئے ہے تو اتباع واجب ہے اور استحباب کے لئے ہے تو مستحب اور مشورہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں یا اور کوئی واجب الاتباع کوئی نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے

اتباع مشورۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امر استحبابی تک نہیں لیکن ظاہر ہے کہ افعالِ اختیاری پر دو ثمرہ متفرع ہو سکتے ہیں منفعت و مضرت دنیوی یا منفعت و مضرت اخروی۔ سو بیان منافع و مضار دنیوی میں تو البتہ گنجائش مشورہ مذکور ہے پر دربارۂ منافع و مضار اخروی انبیاء کو شریک سمجھنا شرک فی النبوۃ کی بنا کو مستحکم کرنا ہے۔ یا انبیاء کرام علیہم السّلام کو مثل عوام سمجھنا اگر بنا مشورہ وحی پر ہوا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ہوا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اور اس وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مشورہ سنت ہوگیا تو اس کے یہ معنی ہوں کہ آپ خاتم النبیین نہیں اور اگر مشورہ محض رائے پر موقوف ہو تو یوں کہو کہ انبیاء کرام بھی مثل عوام اٹکل ہی کے تیر مارا کرتے ہیں۔

بالجملہ منافع و مضار دنیوی میں انبیاء شریک ہو سکتے ہیں پر اس کو عرض رائے کہئے امر نہیں کہہ سکتے جو یہ تفرق بجائے خود مستحسن ہوا اس صورت میں ماحصل اس تقریر کا یہ ہوگا کہ ایجاد طرق آخرت تو انبیاء کا کام ہے اور ایجاد طرق فلاح دنیا انکا کام نہیں پر بعض طرق فلاح دنیا معارض طرق فلاح آخرت ہوتی ہیں اور بعض موافق اور بعض نا موافق ہوتی ہیں نہ معارض۔

سو جو طرق معارض ہوں جیسے چوری قزاقی غصب زنا وہ تو بوجہ مخالفت ممنوع ہوتے ہیں اور جو طرق موافق ہوتے ہیں جیسے قرآن خوانی یا وعظ گوئی پر لینا باین وجہ ممنوع ہو جاتے ہیں کہ غلام سرکاری ہو کر کار سرکاری ہی پر اُجرت مانگتے ہیں۔ اور جو طرق نہ موافق ہیں نہ معارض اُن کو ذریعۂ فلاح دنیا اگر قرار دیں تو بجا ہے ان طرق میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہے گا کہ طرق فلاح آخرت کی معارض نہ ہو جائیں چنانچہ بیوع و اجارات کا فساد و بطلان سب اسی پر مبنی ہے۔

سو اس قسم کی ایجاد یا اُس کی ترقی و تنزل میں انبیاء اگر دخل دیتے ہیں تو بطور مشورہ بتقاضاء خیر خواہی دخل دیتے ہیں خدا کی طرف سے اس مشورہ کی تسلیم میں ہرگز کچھ خواستگاری نہیں۔ اور مقدمۂ تابیر نخل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کو اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ۔ فرمانا اسی وجہ سے تھا کہ آپ اس فن کے امام نہ تھے خدا کی طرف سے اس مقدمہ میں مخبر نہ تھے۔

بہر حال امر نبوی صلے اللہ علیہ وسلم جس امر میں ہوا واجب الاتباع یا مستحب الاتباع ہوگا۔ ہاں مشورہ نہ واجب الاتباع ہے نہ مستحب الاتباع البتہ مقتضائے حسن ادب یہ ہے کہ آپ کے مشورہ کو بھی اوروں کے مشورہ پر مقدم جانے کہ اول تو مشورہ میں لحاظ کمال عقل ہی پر ہوتا ہے

فقط تجربہ کاری پر نہیں ہوتا۔ اس کمال میں ظاہر ہے کہ انبیار کیسے کامل ہوتے ہیں۔
دوسرے اتباع کسی مقدمہ میں کیوں نہ ہو موجب خوشنودی خاطر متبوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ خوشنودی خاطر انبیار کرام کیا کچھ مثمر برکات ہو سکتی ہے۔ کم سے کم ایک دعا ہی سہی اس وجہ خارجی و عارضی کے باعث ایسے مواقع میں بھی استحباب عرضی آجاتا ہے۔
جواب اصل ہشتم۔ احکام منصوصہ کے یقینی۔ اور اجتہادی کے ظنی ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے اگر ہو گا تو اس امر میں ہو گا کہ کونسا منصوص ہے کونسا نہیں اور کونسا اجتہادی ہے کون نہیں اور یہ میں اس واسطے عرض کرتا ہوں کہ بسا اوقات اکثر آدمی بوجہ قلت تفکر بعض امور کو منصوص سمجھ جاتے ہیں حالانکہ وہ منصوص نہیں ہوتے اور تو اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام یوں سمجھ گئے کہ حضرت خضر علیہ السّلام نے جن کی شان میں خداوند کریم اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا فرماتے ہیں کشتی مساکین کو ظلما توڑ ڈالا اور طفل نابالغ کو بے گناہ قتل کر ڈالا یہ کلام اللہ میں موجود ہے آیات آخر رکوع یعنی اَمَّا السَّفِیْنَۃُ سے لے کر آخر رکوع تک قطع نظر کیجیے تو ابنار روزگار سے پوچھ دیکھئے یہی کہیں گے کہ حضرت خضر کا قاتل طفل بے گناہ اور خارق سفینہ ظلما ہونا منصوص ہے۔
غرض یہ ہوتا ہے کہ معنی حقیقی موضوع سے زیادہ بوجہ خیالات طبعزاد جو الفت وعادت پر مبنی ہوتے ہیں اور معانی زائد لگا لیتے ہیں اور خود اُن کو تمیز نہیں ہوتی کہ ایجاد اپنی طبع کا ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اکثر ابنار روزگار بلکہ کل اسی قسم کے نظر آتے ہیں آخر یہ کسی کے کلام اُس کے مبلغ فہم پر دلالت کردیتی ہے مگر آج کل اکثر عالم کہ بوجہ انصاف وہ عالم نہیں نیم مُلّا ہیں اپنے آپ کو عالم فن دین کچھ ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے بندر نے نیل کے مٹ میں گر کر اپنے آپ کو طاؤس سمجھ لیا تھا۔ انصاف کی بات جس کو اہل فہم خواہ مخواہ مان جائیں یہ ہے کہ علم کے تین مرتبہ ہیں۔ ایک وہ جس کی طرف جملہ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ۔ دلالت کرتا ہے اس کا ماحصل تو فقط اتنا ہے کہ عربی میں زباندانی حاصل ہو جائے۔ دوسرا وہ مرتبہ جس کی طرف یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ مشیر ہے اس مرتبہ کی حقیقت یہ ہے کہ مجملات کلام اللہ کو مشخص سمجھ لیا جائے۔
تفصیل اس اجمال کی بقدر مناسب یہ ہے کہ مفہومات کلیہ کے لیے ہزار ہا تشخص محتمل ہوتے ہیں

مثلاً انسان ایک مفہوم کلی ہے اور زید عمرو بکر کی خصوصیات زائدہ اُس کی تشخصات سو کلام اللہ میں اگر کوئی مفہوم کلی مصرح مذکور ہو اور اُس کا تشخص و تعین مصرح تو مذکور نہ ہو پر سباق و سیاق اور لواحق و توابع کے وسیلہ سے بشرط رسائی فہم معلوم ہو سکتا ہو تو جو شخص اس بات کو بتلائے وہ علم کتاب کہلائیگا الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم میں لفظ ظلم ایک مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے جس کے لئے صغیرہ اور کبیرہ اور شرک بدعت افراد میں مصرح اگر موجود ہے تو وہی مفہوم کلی موجود ہے اور تعیین شرک مصرح موجود نہیں۔ ہاں لفظ لبس بوسیلہ ان الشرک لظلم عظیم اس کی جانب مشیر ہے۔

علیٰ ہذا القیاس آیت وضو میں جر ارجل کی قرارت کی صورت میں مسح ارجل تو عطف علی الرؤس کی صورت میں مصرح ہے اور اُس کے ساتھ غسل قدم کا کچھ ذکر نہیں پر غسل بھی اُس کی ایک افراد میں سے ہے کیونکہ ہاتھ کا پھیرنا سو کھا موجب مسح ہے اور تر موجب مسح ہے غسل کے ساتھ موجب مسح ہے اور فقط رطوبت قائمہ بالید کے ساتھ موجب مسح ہے۔

غرض ایک مضمون کلی ہے جس کے افراد کثیرہ اور تشخصات متعددہ متصور ہیں جن میں سے تصریح ایک کی بھی نہیں فقط ہے تو اُس مضمون کلی ہی کی تصریح ہے ہاں قید الی الکعبین کو دیکھئے تو باعانت باستعانت فہم رسا ہو تو غسل ہی لازم آجاتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس باعانت باستعانت موضوع لہ راس کو بتدبیر لحاظ کیجیے تو تعلق ربع راس نکل آتا ہے ہاں راس کو کرۂ حقیقی اور پانی کو سطح مستوی یا کرۂ حقیقی رکھئے تو پھر مسح بال دو بال ہی کا مسح فقط ثابت ہوگا۔ بہر حال لفظ ظلم سے تمام گناہوں کو مصرح سمجھ لینا اور راس سے تمام راس کو مصرح سمجھ لینا۔ اور منصوص خیال کرنا ایک سینہ زوری ہے اور کچھ نہیں۔

اور تیسرا مرتبہ علم میں وہ ہے جو جملہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے لفظ حکمت کے وسیلہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ تحقیق اس مرتبہ کی یہ ہے کہ ہر حکم کے لئے ایک علت ہے اور ہر وصف کے لئے ایک موصوف حقیقی ہوتا ہے۔ مثلاً مطاع ہونے کے لئے کمال و جمال و مالکیت نفع و ضر علتِ حقیقی اور موصوف حقیقی اور محکوم علیہ حقیقی ہے اور وہ اس کے لئے معلول حقیقی اور وصف حقیقی اور محکوم بہ حقیقی اور نسبت فی مابین نسبت حقیقی علیٰ ہذا القیاس ایک موصوف عرضی ہوتا ہے جیسے وصفِ رسالت یا خلافت اور اولوالامری مطاعیۃ کے لئے موصوف عرضی اور علت عرضی۔ اور

محکوم علیہ عرضی ہے اور نسبت فیمابین نسبت عرضی اور مجازی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہ ہوئی اور آپ کے ازواج کے نکاح کی حرمت کی علت اور اُن کے ساتھ آپ کی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر افاضہ حس وحرکت سے ایسی طرح معذور ہوگئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہوکر مکان میں افاضہ نور سے معطل ہوجاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف ثابت ہے موت کے آنیسے ایسی طرح زائل ہوجاتی ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ آپ کی حیات بھی موت کے آنے سے زائل ہوجاتی ہے باقی یہ جو السَّلَامُ عَلَیْکُم یا اَھْلَ القبور، سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتہ لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات پیدا ہوتا ہے تو اُس کو اول تو ایسا سمجھے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آجائے ایسے ہی یہاں بھی سمجھیئے۔ دوسرے اگرچہ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے وطن اصلی کیساتھ تو گو اتنا تعلق موجب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد ایسی طرح ہوجاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ بسا اوقات بہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقہ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہوجایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہ حیات ہو علیٰ ہذا القیاس۔ یہ نہیں کہ مثل شہداء ایک بدن سے تعلق چھوٹ کر دوسرے بدن سے تعلق پیدا ہوگیا ہو جس کے بھروسے یوں کہا جاوے جب کہ بدن اول سے تعلق ہی نہ رہا تو اس کے متعلقات یعنی ازواج و اموال سے کیا تعلق رہے گا جو مانع میراث اور انقطاع نکاح ہو۔

اسی طرح اور بہت سی نظیریں ہیں جن کو بے کہے اہل دانش سمجھ جائیں گے غرض موصوف حقیقی اور علت حقیقی کو دینیات میں علت مجازی اور موصوف مجازی سے پہچان لینا وہ حکمت ہے جس کی طرف آیت مذکور میں اشارہ ہے اور جس کی تعریف میں یہ ارشاد ہوا ہے وَمَن یُؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا، سوم رتبہ حکمت پر اجتہاد کی اجازت ہے بشرطیکہ قرآن وحدیث پر بخوبی نظر ہو اور ناسخ منسوخ وضعیف وقوی کو پہچانتا ہو اور مرتبہ علم کتاب میں اگرچہ اجازت اجتہاد و استنباط احکام غیر منصوصہ نہیں ہو سکتے پر فقط احکام منصوصہ اور مضامین مندرجہ قرآنی میں خود رائی اور خود بینی کی اجازت ہے چنانچہ بدیہی ہے بعد اس کے اگر حکیم امت یا عالم کتاب سے کوئی خطا ہوجائے

تو ایسی سمجھی چاہیے جیسے اسپ تیز گام باوجود سلامت اعضا، وقوت رفتار ذرا سی غفلت میں ٹھوکر کھاکر گر پڑتا ہے اس ٹھوکر کھاکر گر پڑنے کو اسپ لاغر ولنگ کے گرنے پر قیاس کر کے جیسے سواری موقوف نہیں کر دیتے ایسے ہی حکیم امت و عالم کتاب کو بوجہ غلطی جو بمقتضائے بشری بوجہ غفلت ہو جاتی ہے خود رائی اور اجتہاد سے روک دینا سزا ہے یہ اُن کی غلطی اس امر میں مثل غلطی عوام نہ سمجھی جائیگی باقی رہا وہ مرتبہ جو جملہ "یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰاتِہٖ" سے مستفاد ہے بادی النظر میں اگرچہ از قسم علوم ہے پر حقیقت میں یہ مرتبہ اُن علماء ربانی کا مرتبہ نہیں جو کسی کے پیرو نہ ہوا کریں ورنہ جملہ "یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ" بیکار تھا ہاں حافظ علوم کہئے تو بجا ہے بہر حال ایسے لوگوں کو اوروں کا اتباع ضرور ہے عالم بن بیٹھنا اور لوگوں کی پیشوائی جائز نہیں آپ بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے پیشوایان فرقہائے باطلہ سب اسی مرتبہ کے لوگ تھے جنہوں نے بوجہ اولوالعزمی اپنے فہم کے موافق اوروں سے اپنا کام لیا۔

جواب اصل نہم - انسان کا خارج از طاقت انسانی مکلف نہ ہو سکنا اور بے اور نہ ہونا اور سو اس میں کچھ کلام نہیں کہ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں مگر اس کے ساتھ یہ سمجھ غضب ہے کہ ایمان اور احکام موجب نجات عقل انسانی سے خارج نہ ہوں۔

پیرجی صاحب غور کا مقام ہے تکلیف مالا یطاق کے نہ ہونے کی علت فقط یہ ہے کہ تکلیف سے غرض اعمال مکلف بہا ہوتے ہیں تکلیف بالذات مقصود نہیں ہوتی جو یوں کہا جائے کہ خدا اپنی بات اور اپنے کام کر چکے بلا سے بندوں سے اُس کی تعمیل ہو کہ نہ ہو۔ سو اتنی بات اگر ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قطع نظر عمل سے ایسی تکلیف ممکن تو تھی ہی اگر خدا نے اب حکم بھیجدیا بھی تو کیا برا ہوا بلکہ مقصود بالذات عمل ہوتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ عمل اگر محتاج ہے تو قوت عاملہ کا محتاج ہے قوت عاقلہ کا محتاج نہیں۔ جو اس کی سر مصلحت سے آگاہ نہ ہونا مانع تکلیف ہو سکے البتہ علم عمل اتنا ضرور ہے کہ کیونکر کیجیے۔ معہذا خارج از عقل ہونے کی اگر یہ معنی ہیں کہ عامل کی عقل میں اُس کے اسرار اور مصالح اور منافع اور علل نہ آئیں تو یہ تو سراسر غلط ہیں۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ عقل اُس کے مخالف تجویز کرتی ہے تو اگرچہ اس کے امکان میں کلام نہیں ہو سکتی خاتمہ کر اُن لوگوں کی مشرب کے موافق جو علت حسن و قبح امر و نہی کے سوا اور کسی صفت ذاتی احکام کو کہتے ہیں لیکن واقع میں خدا کی طرف سے ایسا ہوتا نہیں

برا تنا اور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس امر میں ہماری تمہاری عقلوں کا اعتبار نہیں معقول جو بفحوائے
فِی قُلُوبِهِم مَّرَضٌ ۔ امراض روحانی کے باعث ایسی طرح فاسد ہو گئے ہوں جیسے قوتِ ذائقہ
یرقانی ہرگز قابل اعتبار نہیں اس کے ادراک کے لئے اُن کی عقل چاہیے جن کے دل بفحوائے
إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۔ امراض روحانی سے اسی طرح عافیت میں ہیں جیسے مرض
جسمانی یرقان وغیرہ سے بحالت ہماری آنکھیں اور زبانیں بچی ہوئی ہوتی ہیں۔

جواب اصل دہم - افعالِ مامورہ کے فی نفسہ حسن ہونے کے معنی اور افعال ممنوعہ کے فی نفسہ قبیح ہونے کے معنی موافق معنی متبادر لفظ فی نفسہ اگر یہ ہیں کہ حسن و قبح اُن کا ذاتی ہوتا ہے تو یہ تو غلط ۔ صلوۃ وقتِ طلوع و غروب اور صوم عیدین اور صیام ایام تشریق بالیقین فی حد ذاتہ حسن ہے پر بوجہ اقتران وقتِ معلوم قبح عارض ہو گیا ہے علی ہذا القیاس ۔ قتال بنی آدم او فسدہ فی الحرب جس کی تسلیم سے معتقدان قرآن و حدیث کو چارہ نہیں فی حد ذاتہ قبیح ہے پر بوجہ اقتران و انضمام اعلاء کلمۃ اللہ حسن عارض ہو جاتا ہے۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ افعال مامورہ میں کچھ نہ کچھ حسن اور افعال ممنوعہ میں کچھ نہ کچھ قبح ہو کسی قسم کا ہی تو مسلم مگر اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر قسم کے مامورات میں سے ایک چیز حسن لذاتہ ہے جس کے عروض سے اور امور قابلۃ للحسن حسن ہو جاتے ہیں علی ہذا القیاس انواع ممنوعات میں ایک چیز قبیح لذاتہ ہو گی جس کے اقتران سے اور افعال قبیح بالعرض ہو جاتے ہیں پھر اس صورت میں اس بات کی گنجائش نکلے گی کہ بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز میں بوجہ اقتران مذکور حسن یا قبح عارض ہو جائے تو وہ بھی منجملہ مامورات یا منہیات ہو جائے گی یہ جدا بات رہی کہ مامور ہو گی تو کس درجہ کے اور ممنوع ہو گی تو کس درجہ کے مثال کی ضرورت ہے تو جمع قرآن اور تدوین کتب اور تنقیح حال رواۃ و مراتب احادیث تو از قسم مامورات زمانہ آخر ہیں ۔ اور منہیات میں عورتوں کا مساجد میں آنا جانا علی ہذا القیاس توپ بندوق کے استعمال اور اشغال صوفیہ کے اشتغال کو سمجھئے۔

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک فعل بوجہ اقتران مذکور کسی ملک یا ولایت میں مامور بہ یا منہی عنہ ہو جائے اور دوسرے میں نہ ہو یا ہو تو بدرجہ کمتر ہو بعد ازیں یہ جو ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم السلام حسن و قبح کے بتانے والے ہیں اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بمنزلہ اطباء مبین ہیں آمر و جابر و حاکم نہیں

تب تو غلط ورنہ جزا و سزا دنیوی کے پھر کیا معنی ہیں یعنی افعال حسنہ یا قبیحہ کو اگر جزا و سزا دنیوی ایسی لازم ہوتی۔ جیسے لوازم ذات اپنے ملزومات کو تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ خودبخود یہ قصہ ہوتا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ مبین بھی ہیں اور آمر و جابر بھی ہیں تو مسلم پر اس صورت میں امور منصوصہ کا حسن و قبح سمجھنا تو سب کو لازم ہوگا پر غیر منصوصہ کو بوجہ اقتران مذکور ہر کس و ناکس حسن و قبیح کہنے کا یا سمجھنے کا مجاز نہ ہوگا اس کے لئے اتنی عقل و فہم کی ضرورت ہوگی جتنی مرتبہ حکمت کے لئے ضرورت ہے کیونکہ عروض و اقتران اور کیفیت و کمیت امور مقترنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جو نسبت حکمیہ حقیقیہ کو نسبت حکمیہ غیر حقیقیہ سے تمیز کر سکے

جواب اصل یازدہم - یوں نہ کہئے کہ تمام احکام اسلام فطرت کے موافق ہیں البتہ وہ احکام جو حسن لذاتہ یا قبیح لذاتہ ہیں اُن کی خوبی اور بُرائی طبعی ہے پر وہ احکام جن میں حسن و قبح عرضی ہوتا ہے بذات خود ہر وقت مرغوب اور غیر مرغوب نہیں ہوتے تا وقت عروض بالطبع یعنی بالفطرۃ تو نہیں البتہ بالعرض مرغوب و غیر مرغوب ہو جاتے ہیں بعد زوال عروض وہ رغبت بالضرورۃ بدل جاتی ہے اگر بوجہ شدت گرسنگی یا تشنگی جس میں ہلاک کا اندیشہ ہو اغذیہ یا اشربہ محرمہ کا کھالینا یا پی لینا حسن یا مباح ہو جاتا ہے تو تا دم مخمصہ ہی یہ بات رہتی ہے اس کو اقتضائے طبعی اور فطری نہیں کہہ سکتے ہاں یوں کہئے کہ تا دم عروض ہی فطری کہنا مراد ہے پھر یا ین ہمہ یہی اور تمہاری فطرۃ کا ذکر نہیں کیونکہ اول تو یہاں فطرۃ ہی مفقود فطرۃ اُس حالت کو کہنا چاہیے جو روح کے لئے بمنزلہ صحت جسمانی ہو جو جسم کے لئے قبل عروض مرض ہوتی ہے اور بعد عروض مرض مفقود ہو جاتی ہے اور اگر صحت جسمانی امراض جسمانی کی اوٹ میں آجاتی ہے مستور ہو جاتی ہے مفقود نہیں ہوتی تب کیا ہوا اس صورت میں اگر فطرۃ بھی اسی طرح مستور ہوئی تو کیا ہوگا ہوا نہ ہوا جب برابر ہے تو اُس کو لیکر کیا جائیے یہی وجہ ہے کہ کفار و فجار کو ایمان و تقویٰ ہمیشہ بُرا ہی معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال موافق اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ طاعت میں لذت اور معصیت میں تکلف ہونے لگے تو البتہ ایسے اہل قلوب کو ارباب فطرۃ کہہ سکتے ہیں تسپر بھی سوائے نبی کسی کا قلب در بارۂ صحت وسقم قرآن وحدیث کسوٹی نہیں ہو سکتا ہاں قرآن وحدیث صحیحہ البتہ کسی کے وجدان کے کھرے کھوٹے بتانے کے لئے کسوٹی اور معیار ہیں۔ اگر وجدان اہل وجدان اُس پر مطابق آجائیں تو ایسے لوگ صحیح الوجدان ہیں ورنہ یہ عدم تطابق دلیل فساد فطرۃ وجدان سمجھا جاوے گا۔ قرآن

وحدیث اس عدم تطابق کے باعث غلط نہ سمجھا جائے گا کیونکہ قلوب سلیم کو مثل اجسام صحیحہ
ہر دم مرض کا اندیشہ لگا ہوا ہے پر قرآن وحدیث کو مورد صحت وسقم بایں طور نہیں کہہ سکتے کبھی یہ صحیح ہو جاتے ہیں
کبھی غلط جو روایت صحیح ہے وہ ہمیشہ صحیح رہتی ہے جو غلط ہے ہمیشہ غلط سو ظاہر ہے کہ قرآن
شریف وحدیث متواترہ میں تو یہ احتمال غلط ممکن ہے نہیں۔ رہی احادیث صحیحہ غیر متواترہ ہر چند
احتمال غلطی اور مخالفت واقع اُن میں ممکن ہے کیونکہ ان کی صحت حسب اصطلاح محدثین بمعنی
مطابقت واقع نہیں۔ لیکن یہ ایسا سمجھنا چاہئے جیسا مرد صادق القول سے بوجہ غلط فہمی کسی
بات میں غلط کہدینا سو جیسا یہ شاذ ونادر ہے مثل عروض امراض خصوصاً امراض روحانی کثیر الوقوع
اور غیر الزوال نہیں جو دربارہ اعتبار معاملہ برعکس ہو جائے یا احتمال مساوات ہو بہرحال یہ قول کہ
اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجاکے حق میں دیکھنا گنا ٹھیر سکے گا اگرچہ اس جگہ
بے موقع ہے کیونکہ استطاعت بصارت اور عدم استطاعت بصارت میں فطرۃ ہے نہ مطابق
فطرۃ علی العموم ہرگز صحیح نہیں ہاں تاویل مذکور کے ساتھ کہے تو بجا ہے۔

جوابِ اصل دوازدہم۔ انسان کو ایک اختیار اُدھر سے مستعار عطا ہوا ہے پر اختیار انسانی
اختیار خداوندی کے ساتھ وہ رابطہ رکھتا ہے جو قلم ہمارے تمہارے ہاتھ کیساتھ یا پچھلے کل کسی اگلے کل
کے ساتھ اگر یہ نہ ہو تو اختیار انسانی کو عطائے خداوندی کہنا غلط ہو جائے گا اور ارادہ انسانی مخلوق
خدا نہ رہے گا کیونکہ ہر بالعرض کے لئے ایک موصوف بالذات چاہئے ورنہ پانی کی گرمی اور زمین کی
دھوپ کو آگ اور آفتاب کی حاجت نہ ہوتی۔ مگر جیسا ہر بالعرض کے لئے بالذات کی ضرورت
ہے ایسی ہی اُن دونوں میں تجانس بھی ضرور ہے جس نوع وجنس کا وصف عرضی ہوگا اُسی نوع وجنس
کا وصف ذاتی ہونا چاہئے زمین کا نور آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے آفتاب کی حرارت یا پانی کی
رطوبت سے پیدا نہیں ہوتا اس صورت میں ضرور ہے کہ ارادہ انسانی ارادہ خداوندی کا پرتو ہو مگر جیسی
حرکت نور زمین یعنی دھوپ حرکت آفتاب وحرکت شعاع ونور آفتاب پر موقوف ہے بالاستقلال
نہیں ایسی ہی حرکت ارادہ انسانی حرکت ارادہ خداوندی پر موقوف ہوگی چنانچہ خداوند کریم خود ہی
فرماتے ہیں، وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ سو اگر مجبور ہونے سے مراد یہ توقف ہے اور یہی
معنی انکار جبر ہے تب تو بلاشبہ یہ انکار غلط اور لغزش عظیم ہے جس کا تدارک بجز توبہ متصور نہیں

اور اگر یہ مطلب ہے کہ بندہ صاحب اختیار ہے یہ نہیں کہ اختیار ہی نہیں دیا بلکہ مثل چوب و سنگ جو بظاہر ذوی العقول میں سے نہیں اور ارادہ سے بے بہرہ نظر آتی ہیں یہ بھی بے بہرہ ہے۔ تو یہ بات بھی ہے مگر بدلالت سیاق اور شہادت عبارت سابقہ اس استثنار سے جو یہاں سے (مگر اس کو انسان اُن قویٰ کے استعمال الخ) شروع ہوا ہے یہ معنی نکالنے بظاہر دشوار ہیں۔

اور اگر یہ غرض ہے کہ انسان کو ارادہ بھی ملا اور پھر وہ ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ وہی ارتباط بھی رکھتا ہے جو میں نے عرض کیا۔ مگر بایں ہمہ مثل اشجار و احجار مجبور نہیں جو اُس کی طرف بجز انفعال عمل کو انتساب ہی نہ ہو سکے۔ تو یہ مسلم مگر اس صورت میں انکار جواز تکالیف یا خیال عدم جواز ثواب و عقاب جیسا بظاہر متوہم ہو سکتا ہے بالکل خیال خام ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکلیف تو مثل صیقل آئینہ و غیر آئینہ سمجھی جائے گی جو بعد دعویٰ قابل العکس ہونے آئینہ اور غیر قابل العکس ہونے سنگ و چوب کے مخالفان دعوے کے لئے مسکت ہو سکتا ہے سو جیسے سنار یا صراف کامل کا کھوٹے کھرے کو کسوٹی پر لگا کر بتلا دینا گاہک یا صاحب متاع کے دکھلانے اور ساکت کرنے کے لئے ہوتا ہے اپنے اطمینان کے لئے نہیں ہوتا ایسے ہی خدا کی طرف سے تکلیف کو بیان فرق مراتب انفعال کے لئے سمجھئے اور امتحانات لیبلوکم ایکم احسن عملاً وغیرہ از قسم اتمام حجت سمجھئے نہ از قسم استخبار و استفسار اور ثواب و عقاب کو ایسا سمجھئے جیسا آئینہ کو نظارہ کے لئے پیش نظر رکھیں اور پتھر یا چوب کو سامنے سے ہٹا دیویں سو جیسے اس رکھنے اور ہٹانے میں ایک کا اعزاز اور دوسرے کی تحقیر نکلتی ہے ایسے ہی اس ثواب و عقاب کو خدا کی طرف سے بیان فرق مراتب ظہور فعل کے لئے سمجھئے یعنی جیسے آئینہ سے بوجہ انعکاس نور آفتاب جو بعد قبول ظہور میں آتا ہے اور بعد انفعال رنگ دکھلاتا ہے ایک صدور نور بذکور اُدھر سے اِدھر کو ہوتا ہے جس سے انتساب فاعلیت درست سمجھا جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی قبول ارادہ کے بعد ایک انعکاس ارادہ بھی ہوتا ہے اور وہ ارادہ منعکس مرادات بشری پر اس طرح واقع ہوتا ہے جیسے نور منعکس از آئینہ در و دیوار پر واقع ہوتا ہے سو یہ امر مذکور اسی فاعلیت کا نتیجہ ہے۔ **جواب اصل سیزدہم**۔ یوں کہنا چاہئے کہ دین اُن احکام کا نام تو یقینی ہے جو یقینی ہیں اور ان احکام کا نام ظنی ہے جو ظنی ہیں یعنی احکام یقینیہ کو یقیناً دین سمجھنا چاہئے اور احکام ظنی کو ظناً کہنا چاہئے بہر حال اطلاق دین دونوں پر بجا ہے بر فرق مراتب علم کے لئے یقین و ظن کی قید

کا اضافہ ضرور ہے۔

جوابِ اصل چہاردہم۔ اس اصل کے موافق احکام کی دو قسم کرکے قسم اول کی پھر دو قسمیں کرنی چاہئیں۔ ایک امر و نہی حسن یا قبیح لذاتہ دوسرے امر و نہی حسن و قبیح لغیرہ سو جو امر و نہی متعلق بحسن و قبیح لذاتہ ہیں وہ تو بے شک موافق فطرۃ ہیں۔ نہیں تو نہیں۔ مگر ہاں یہ تاویل کیجئے کہ قسم ثانی بھی فطرۃ کے مطابق ہیں بالذات نہیں بالعرض ہی سہی لیکن اس صورت میں جیسے قسم اول کی تقسیم بیکار ہیں خود تقسیم اول اس سے زیادہ بیکار ہے اور اس سے زیادہ بیہودہ اور لغو کیونکہ وہاں فرق بالذات و بالعرض کے دریافت کرنے کے لئے کچھ ضرورت تقسیم بھی تھی اور یہاں تقسیم اول کی اس صورت میں کچھ ضرورت ہی نہیں خیر ہرچہ بادا باد اب آگے دیکھنا چاہیئے یہ جو ارشاد ہے کہ اطاعت و عمل میں دونوں برابر ہیں اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ مراتب حسن و قبح میں سب برابر ہیں تب تو غلط ہے ابھی معلوم ہو چکا کہ خود حسن و قبح میں کمی بیشی ہی ظاہر ہے کہ موصوف بالذات ہمیشہ موصوف بالعرض سے اکمل ہوا کرتا ہے آفتاب نورانیت میں آئینہ اور در و دیوار سے زیادہ ہے اور یہ بھی ہے کہ بقدر مراتب حسن و قبح سے مراتب امر و نہی متفاوت ہوتے چاہئیں یعنی یہ فرق فرضیت و وجوب و سنیت و استحباب و حرمت و کراہت تحریمی و اباحت اس فرق مراتب حسن و قبح ہی پر متفرع ہونی چاہئیں اس لئے کہ حاکم وہ ایک اللہ تعالیٰ محکوم یہ ایک بندہ عبارت حکم وہ ایک صیغہ امر و نہی پھر اگر فرق مذکور بھی نہ ہو تو یہ فرق مراتب کہاں سے آئے اور یوں کہیں ایک آدھ جا اگر فرق عبارت سے اس فرق کو ثابت بھی کیجئے تو اور باقی فرقہائے معلومہ کی کیا سبیل ہوگی بایں ہمہ عبارت دربارہ مطلب مفہوم مخبر اور مظہر ہوتی ہے علت نہیں ہوتی اور علت کی ضرورت ہر حادث کے لئے ضرور ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ اطاعت سب کی چاہئے کہ خدا کے یہاں کسی مرتبہ میں واقع ہوں تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے مگر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مراتب وجوب و استحباب وغیرہ میں اگرچہ دونوں قسموں میں فرق ہو پر صورت ادا دونوں جا ایک ہی ہے جس طرح سے مثلاً چار فرض ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح سے چار سنت جس طرح تین فرض ادا کئے جاتے ہیں اسی طرح تین وتر جتنی دیر اس میں لگتی ہے اتنی ہی اس میں لیکن اس صورت میں اس بات کی تحقیق ضرور ہے کہ احکام اصلی کی کیا نشانی ہے اور احکام حفاظت کا کیا پتہ ہے سو ہم سے اگر پوچھئے تو اس کی تحقیق بقدر مناسب مقام یہ ہے کہ طاعات و ذنوب میں انواع متعددہ ہیں پھر ہر نوع ایک امر مقصود بالذات ہے باقی مقصود بالعرض طاعات میں مثلاً

ابواب صلوٰۃ کے اوامر ایک جدی نوع اور ابواب زکوٰۃ کے اوامر جدا نوع ابواب حج کی جدا پھر نوع اوامر متعلقہ صلوٰۃ میں صلوٰۃ مامور بہ بالذات اور طہارت اور جماعت اور مراعات صف اول و تکبیر اولیٰ و قرب امام و انتظار جماعت و رباط مسجد و وضو قبل از وقت وغیرہ مامور بہ بالعرض جن میں سے مراعات صف اول وغیرہ تو بالعرض کے بھی بالعرض ہیں اس لئے کہ مقصود اعظم ان امور سے نگاہداشت جماعت مسجد ہے اور وجہ اس تفریع کی ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ جماعت میں قطع نظر نماز سے کچھ ثواب نہیں ورنہ پریٹ و قواعد کے وقت ایک صف باندھ کر کھڑا ہونا بھی منجملہ طاعات سمجھا جاتا علیٰ ہذا القیاس اور امور کو سمجھ لیجئے اور طہارت اگر بذات خود بھی مطلوب ہو تو بطلب جو اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الخ سے ثابت ہے لاجرم بوجہ صلوٰۃ ہے بذات خود طہارت یہاں مطلوب نہیں۔ ادھر ذنوب میں دیکھئے نہی ابواب زنا جدا نوع ہے اور نہی شراب خوری جدا نوع اور نہی سود خواری جدا نوع علیٰ ہذا القیاس پھر نوع زنا میں خود زنا بالذات منہی عنہ ہے اس لئے اپنے بیگانے سب سے زنا ممنوع ہے اور بوس و کنار و خلوت وغیرہ منہی عنہ بالعرض یعنی بوجہ شہوت و اندیشہ زنا ممنوع ہیں بذات خود ممنوع نہیں ورنہ یہ معاملات مثل زنا اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سے ہرگز جائز نہ ہوتی بلکہ اُلٹی یہاں اور جا کی نسبت زیادہ ممانعت ہوتی سو مامور بہا اور منہی عنہ بالذات کا نام تو ہم مقاصد رکھتے ہیں اور مامور بہ بالعرض کا نام ہم وسائل و ذرائع اور دواعی رکھ کر یہ گذارش کرتے ہیں کہ ان دونوں قسموں میں تو باہم ایسا ارتباط ہے جیسا چراغ اور آئینہ میں وقت انعکاس نور ہوتا ہے۔

علاوہ بریں ایک اور قسم کے احکام ہیں جن سے مقصود مضمون تذلل و تعبد نہیں اگرچہ یہاں بھی بوجہ اطاعت تعبد لازم آجائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مرور دہور[ع] کے بعد حدود احکام متغیر نہ ہو جائیں مثلاً ان نمازوں میں جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ حکم ہوا کہ فرض و سنت کے بیچ میں فصل زمان و مکان کر دینا چاہئے یعنی کچھ دعا مانگ لی یا ایک دو وظیفہ مسنونہ بعد الصلوٰۃ مثل آیۃ الکرسی و تسبیح و تحمید و تکبیر پڑھ کر دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہٹ کر سنت مابعد کو پڑھی علیٰ ہذا القیاس قبل رمضان اور بعد رمضان متصل روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ادھر تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی قید لگائی۔ مقصود ان سب سے یہی ہے کہ رفتہ رفتہ حدود خداوندی میں افزائش ہو کر ایسی خرابی جس صورت مجموعہ احکام اسلام میں نہ آجائے جیسے سیر چاولوں میں اُن کے اندازہ سے زیادہ گھی مٹھائی ڈال دیں

[ع] دہور جمع دہر کی بمعنی زمانہ ۱۲

سے خرابی آجاتی ہے یا فرض کیجئے کسی کے وجود میں آنکھ یا ناک وغیرہ اعضا میں سے کوئی عضو اُس کے وجود کے اندازہ سے زیادہ یا کسی انگرکھہ کرتہ وغیرہ میں آستین وغیرہ اجزاء معلومہ سے کوئی ٹکڑا اپنے اور اس کپڑے کے اندازہ سے بڑھ کر مجموعہ کی خوبی میں رخنہ انداز ہوجاتا ہے گو قطع نظر اس سے کوئی مقدار ان اشیاء کے لئے معین نہ ہو مگر اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسباب میں اُسی کی رائے معتبر ہے جو اُس حسن وخوبی کے ادراک کا حاسہ بھی رکھتا ہو اندھا حسن صورت بنی آدم میں اس قسم کی رائے نہیں دے سکتا۔ جس کی زبان نہ ہو اطعمہ کی خوبی یا خرابی میں لب کشا نہیں ہوسکتا سو ظاہر ہے کہ سوائے انبیاء (علیہم السلام) اس قسم کی بصیرت جس سے صورت مثالی مجموعہ احکام اس طرح معلوم ہوجائے جس طرح آنکھ سے ہمیں تمہیں صورت اجتماعیہ چشم وگوش وبینی ورخسار وغیرہ معلوم ہوجائے عطا نہیں ہوئی ہم لوگ اس باب میں اندھے ہیں۔

اور نیز اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان احکام کا محل وہی احکام ہیں جن میں مراعات صورت حاصل ہے اور جس جگہ صورت پر نظر بھی نہیں فقط معنی ہی مقصود ہے جیسے جہاد میں غرض اصلی اعلاء کلمۃ اللہ ہے دن کو ہو یا رات کو مشرق کی طرف منہ ہو یا مغرب کی طرف تبر سے ہو یا بندوق سے سوار ہوکر کیجئے یا پیادہ تو ایسے احکام میں جو نسبت احکام سابقہ احکام مطلقہ ہیں اور وہ اُن کے نسبت احکام مقیدہ یہ اس نام کے سزاوار ہیں وہ اس نام کے احکام محافظت کو مداخلت نہیں ہوتے۔

جب یہ بات مقرر ہوچکی تو ہم احکام محافظت کو احکام انتظامی اور احکام محافظت نام رکھ کر عرض پرداز ہیں کہ ان احکام کو نسبت مقاصد اور وسائل کے ایسی نسبت ہے جیسے چراغ کے لئے فانوس ہنڈیا وغیرہ اور آئینہ کے لئے چوکھٹا وغیرہ۔ گو غرض یہ نہیں کہ احکام انتظامی کے سوا تمام احکام فطری ہیں بلکہ بعض ذرائع مقاصد سے بعد مرتبہ کے باعث یا بوجہ خفاء عروض بالعرض بھی مرغوب غیر مرغوب نہیں ہوتی۔ ہاں اگر وسائل کو بھی منجملہ احکام محافظت کہئے اور وجہ تسمیہ میں تاویلیں کر لیجئے تو البتہ یہ فرق صحیح رہے گا مگر اس صورت میں تفریعات میں اُن باتوں کی مراعات ضرور ہوگی جو متفرع علیہ ہوں۔ **جواب اصل یازدہم**۔ عوام تو مصلحت کو جانتے ہی نہیں اس بات میں اگر لب کشا ہوتے ہیں تو علماء ہی ہوتے ہیں ہاں ہر فرقہ میں باہم فرق عموم وخصوص ہوتا ہے مگر سید صاحب نے یہ لکھا کہ مصلحت مصطلح عوام کیا ہے اور مصلحت مراد خواص کیا جو اس باب میں نظر کی جاتی کہ

اس انتساب میں بے ادبی لازم آتی ہے یا نہیں ہاں سچائی کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت مصطلح عوام کچھ ایسا امر ہوتا ہے جس میں دروغ یا دروغگوئی کا انتساب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوجاتا ہے لیکن باین نظر کہ انتساب مذکور کی بھی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کا یکساں حکم نہیں منجملہ اُن کے تعریضات بھی ہیں جن کی معنی مطابقی تو مخالف واقع نہیں ہوتے مگر اور مودات مخالف واقع کی طرف کھینچ لی جاتی ہیں پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں اور ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضرور نہیں اگرچہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بھی سے محفوظ رہے ہوں ہم کو لازم پڑا کہ اس باب میں ایک تحقیق مختصر بقدر ضرورت لکھیے سو سنئے کہ بعض بعض افعال تو خیر باین معنی ہوتے ہیں کہ اُن کی وضع کسی امر خیر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے آگ احراق و حرارت کے لئے اور پانی رطوبت اور تربیت کے لئے موضوع اور مخلوق ہوئے ہیں۔ ایسے ہی نماز مثلاً تعظیم باری کے لئے موضوع ہوئی ہے جس کی خیریت میں کچھ تامل نہیں اور جس میں اصلاً شائبہ شر نہیں اور بعض افعال شر محض باین معنی ہوتی ہیں کہ اُن کی وضع کسی امر شر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے قطع اعضا تخریب بدن اور فساد جسم کے لئے موضوع ہے ایسی ہی ظلم و ستم آزار مردم اور زنا حدی بے حیائی کے لئے موضوع ہوا ہے علی ہذا القیاس۔ اور افعال کو سوچ دیکھے مگر بعض افعال ایسے ہیں جن کی حد ذات اور مرتبہ حقیقت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے نہ کوئی بُرائی تو یہ اگر نتیجہ حسن کے وسیلہ اور امر خیر کے ذریعہ ہوجاتی ہیں تو منجملہ محاسن سمجھی جاتی ہیں اور اگر کسی نتیجہ قبیح کے وسیلہ اور امر شر کے ذریعہ ہوجاتے ہیں تو منجملہ مساوی و ذمائم شمار کئے جاتے ہیں مثلاً رفتار ابصار استماع وغیرہ کہ فی حد ذاتہ نہ امور حسن ہیں نہ قبیح البتہ اگر رفتار مسجد کی طرف ہے تو منجملہ طاعات سمجھی جاوے گی اور اگر شرابخانہ یا بتکدہ یا چکلہ کی طرف ہے تو سیئات میں داخل ہوجاوے گی اور اگر کہیں دونوں مجتمع ہوجائیں تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جاویگا مثلاً اجتماع رجال ونساء مساجد میں اگر موجب حصول برکات جماعت و مزید ثواب ہے تو اندیشہ فتنہ اور خوف تعلق خاطر یکے با دیگرے بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے اس میں اگر مکان یا زمان میں جہت اولی غالب ہو گی جیسے زمان برکت توامان حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال زہد صحابہ صحابیات غلبہ ایمان ابنار روزگار اندیشہ فساد تھا تو موہوم تھا تو ایسے اوقات امکنہ میں اجازت ہوگی بلکہ داخل سلسلہ مجاز ہوجائے گا اور اگر کسی زمان و مکان میں جہت ثانیہ قوی نظر آئے گی تو بحکم اول منعکس بہ ممانعت ہوجاویگا

اور یہ فعل از قسم سیئات سمجھا جاوے گا اب اس بات کا دیکھنا رہا کہ کذب و تعریض میں اگر قبح ہے تو کس قسم کا ہے ہم دعویٰ کرتے ہیں اور سب اہل عقل انشاءاللہ تعالیٰ تسلیم ہی کریں گے کہ کذب یعنی گفتار مخالف واقع بذاتِ خود قبیح نہیں البتہ بلحاظ فریب یا بد اعتقادی مردم جس سے اُن کا ضرر متصور ہے یا متیقن قبیح ہوجاتا ہے ہاں کذب بمعنی فہم مخالف واقع قبیح ذاتی ہے جس کو جہل مرکب کہتے ہیں اس صورت میں اگر گفتار مخالف واقع کسی موقع میں خالی از مضرت ہوجائے یا اُس کے ساتھ بعد خلو از مضرت کوئی منفعت بھی لگ جائے یا دونوں مجتمع ہوجائیں تو پھر یہ ممانعت جو کذب مضر کے لئے ہے بحال خود نہ رہی گی پہلی صورت میں تو بذاتِ خود ایک لغو ہوجائے گا گو باین لحاظ کذب کی عادت پہلی تو عجب نہیں کہ کذب مضر بھی صادر ہوا اور اس وجہ سے یہ عادت کذب مضر کی وسائل میں سے ہوجاوے گی۔ اور بالعرض قبح کذب مضر اس پر عارض ہوجاوے گا منجملہ قبائح شمار کیا جاسکتا ہے بہر حال قبح آزار و اضرار مردم سے بالفعل یہ کذب خالی ہوگا۔ اس کی مثال تو اُن جھوٹے قصے کہانیوں کا مشغلہ سمجھئے۔ اور دوسری صورت یعنی جس میں بعد خلو از مضرت کوئی نفع بھی لاحق ہوجاوے یہ کذب داخل حسنات ہوگا اس میں اگرچہ عاقل کو کچھ شبہ نہیں ہوسکتا لیکن بہر تسکین مثال بھی معروض ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بطور ترغیب یہ ارشاد لیس الکذب الذی یصلح بین الناس او کما قال خود اس بات پر شاہد ہے۔ کہ کذب محمود ہے ہاں اگر قرینہ مقام سے قطع نظر کیجئے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اگر نفی ہے تو کذب یعنی اُس کی قبح کی نفی ہے جس سے اس کا سیئہ اور معصیت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے طاعت ہونا ثابت نہیں ہوتا لیکن اس بات کا اگر لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشاد اس تردد او توہم کے مدافعت کے لئے ہے جو بوجہ ذہن نشین ہوجانے خرابی کذب کی ایسی اصلاحوں سے مانع ہوتا ہے جو بیان خلاف واقع پر موقوف ہو تو پھر یہ ارشاد مسوق لاجل المدح ہی ہوگا۔ اور تیسری صورت میں غلبہ و قوت جہات متعارضہ پر نظر رکھنی چاہئے اگر جہت منفعت غالب ہے تو منجملہ نافعات اور جہت مضرت غالب ہے تو منجملہ مضرات سمجھا جائے گا۔ پھر اگر منفعت دینی ہے تو حسنات دینی میں شمار کیا جائے گا اور منفعت دنیوی ہے تو حسنات دنیوی میں شمار کیا جاوے گا۔ مثلاً اطعام طعام یا تعلیم علوم دنیوی پر منفعت دنیوی اور راحت دنیوی متفرع ہوتی ہے اور تعلیم و تلقین علوم دین پر راحتِ دینی

تو اول حسنات و احسانات دنیوی دوم حسنات و احسانات اُخروی ہے اور تزکیہ و تہذیب قلب بغرض انبعاث محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بے راحت اُخروی میں سے ہونگے۔ اور اس تفاوت کی وجہ سے اوّل کو ثانی سے کچھ نسبت نہ ہوگی مشروعیت قتالِ کفار اور اس کا حسنات میں داخل ہو جانا اسی قسم میں سے ہے کیونکہ قتال مذکور قطع عضو فاسد جس میں خیر خواہی بدن باقی ظاہر ہے بجملہ رفاہ باقی مخلوقات سمجھا گیا جب اس قدر آزار مقتولین دفع فساد کے لئے ثواب مستحسن ٹھیرا تو کذب صریح جس میں کفار کو دھوکا دینا مدِ نظر ہو بغرض دفع فساد و اعلاء کلمۃ اللہ کیونکر مستحسن نہ ہوگا اس کا آزار اس آزار سے جس سے بڑھ کر کوئی آزار دنیوی نہیں یعنی قتل کچھ نسبت نہیں رکھتا جب مرض مذکورہ پردہ جائز ہوا تو یہ کیونکر نہ ہوگا اور وہ حسنات میں سے ہو تو یہ کیونکر نہ ہوگا یہ مسلم کہ دفع فساد وقتال مذکور سے حاصل ہوتا ہے اور کذب فی الحرب جو بطور خدیعہ کام آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے الحرب خدعۃ، بغرض سہولتِ دفع فساد مطلوب ہے اس لئے تا مقدور کذب صریح جائز نہ ہوگا تعریضات سے کام لیا جائیگا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات کو بھی مکروہ سمجھیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قصے سے مترشح ہے تو کچھ عجب نہیں ہاں جس جگہ دفع فساد خود کذب پر ہی موقوف ہو جیسا کبھی اصلاح بین الناس میں ہوتا ہے تو پھر یہ تامل بیجا ہے۔ بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شانِ نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السّلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں پھر تسپر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتی بلکہ مشابہ کذب ہوتی ہیں ہرگز مخالف شان نبوت نہیں ہو سکتے علی ہذا القیاس کسی امر مستحب کا اس لحاظ سے ترک کر دینا کہ اس میں کوئی فسادِ عظیم جس کا وزن منفعت استحباب سے بڑھ جائیگا پیدا ہوگا اگرچہ بظاہر مستلزم ایہام مخالفت واقعی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السّلام کا کسی بات کو ترک کر کے ایک انداز کو اختیار کر لینا اس جانب مشیر ہے کہ یہی انداز مستحسن ہے اور امر متروک غیر مستحسن اور یہ امر بوجہ ایہام مخالف منجملہ دروغ سمجھا جاتا ہے۔ ہرگز مخالف شان نبوت نہیں بلکہ موافق شانِ نبوت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ کو بطور سابق رہنے دینا اور منہدم کر کے بنائے ابراہیمی پر نہ بنانا اور دہلیز کا زمین سے نہ لگا دینا اور دو دروازے ایک شرقی ایک غربی نہ بنانا حالانکہ آپ کے کلام سے اسی جانب رغبت ٹپکتی تھی اور آپکی رغبت خود ایک دلیلِ استحباب ہے فقط اسی وجہ سے تھا کہ اس کے منہدم کرنے میں جاہلان امت سے

جو اخیر میں بکثرت مسلمان ہو گئے تھے یقین ارتداد و مخالفت تھا سو آپ نے سمجھا کہ اس تغیر و تبدل میں اتنا نفع نہ ہوگا جتنا نقصان ہوگا اس تغیر و تبدل میں تو فقط اتنا ہی نفع ہے کہ وقت طواف و دخول خانہ سہولت رہی گی اور خانہ کعبہ حالتِ اصلی پر آجاوے گا۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کچھ ترقی دین نہیں جو انبیاء علیہم السلام کا اول کام ہے ہاں نقصان اتنا کچھ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اس سے زیادہ کوئی نقصان نظر نہیں آتا وہ کیا ہے ارتداد جم غفیر ہے جو بالکل مخالف غرض نبوت ہے اور پھر مخالفت بھی شدیدہ انبیاء لوگوں کے مسلمان کرنے کے لئے آتے ہیں یہاں الٹا اور کفر بعد اسلام لازم آتا تھا۔ الغرض انبیاء علیہم السلام کو اُن امور میں جو بذاتِ خود نہ حسن ہوں نہ قبیح منافع و مضار پر نظر رہتی ہے۔ پھر جیسے مزاج انسانی کی گرم سرد کہنے میں باوجود موجود ہونے اربعہ عناصر کے غلبہ عناصر پر نظر ہوتی ہے اسی طرح درصورت تعارض منفعت و مضرت غلبہ کا اعتبار کیا جاوے گا چنانچہ خداوند کریم نے بھی تحلیل و تحریم میں اسی پر نظر فرمائی ہے فرماتے ہیں فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک شئی اکثر مظہر مضرت ہوتی ہے اور مظہر منفعت فقط گاہ و بیگاہ ہوجاتی ہے جیسے کذب اکثر اس سے مضرت ہی نکلتی ہے۔ پس پر کلام جس غرض کے لئے موضوع ہوا ہے یعنی اظہار مافی الضمیر مظہر منفعت ہو یا مضرت کذب اُسکے مخالف واقع ہوتا ہے تو ایسے مواقع میں اندیشہ مخالفت ابنار روزگار رہتا ہے اور یہ مخالفت موجب تنزل دین و خرابی انتظام دین ہوجاتی ہے اس لئے انبیاء کرام تا مقدور تعریضات سے محترز رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کارپردازان کارخانجات رفاہ کو جن کی درستی ایک عالم کے اجتماع پر موقوف ہو جیسے مثلاً مدرسۃ العلوم لازم ہے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں کہ عوام اہل اسلام کے تنفر کا باعث ہو۔ قطع نظر حرمت و کراہت ذاتی کے ایسے شخص کو بہت سے محرمات و مکروہات کے استعمال سے ایسی خرابی کا دیکھنا پڑے گا جس کے باعث اپنی امید دیرینہ سے دست برداری اور محرومی کا کھٹکا ہے۔ بالجملہ انبیاء علیہم السلام کے کار میں اگرچہ ریاکاری نہیں ہوتی یعنی دنیا کے مقاصد کو پیرایہ دین سے طلب نہیں کرتے پر اس میں بھی شک نہیں کہ دانشمندانہ ہوتے ہیں جاہلانہ نہیں ہوتے سو اگر اسی مصلحت اندیشی کی تجویز پر اندیشہ کفر ہے تو یہ عین ایمان کی باتوں پر کفر کا فتویٰ دینا ہے اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

اس کے بعد یہ گذارش ہے کہ بحث مباحثہ اپنا شیوہ نہیں خواہ مخواہ کسی کی بات میں دخل دینے کی عادت نہیں اور ہوتی بھی تو کیا ہوتا حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایت ھوًی مُتبعًا وشُحًا مطاعًا ودینا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رائی برأیہ فعلیك بخاصۃ نفسك ودع امر العوام اوکما قال ۔ اس زمانہ میں مستحسن بھی ہے کہ کتنی ہی بڑی زبان کیوں نہ ہو پر اپنے منھ میں لئے بیٹھے رہنا چاہئے کیونکہ جو سامان خیر خواہی کے مؤثر ہونے کے ہیں وہ یک لخت مفقود ہو جاتے ہیں اور جو سامان اُلٹے تعصب کے ہیں ایسے اوقات میں سب فراہم نظر آتے ہیں اس صورت میں موافق فرمودۂ مومن ؎

تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا
غرض ایمان سے ضد اس غارت گر دین کو ٹھیری

اکثر ترقی باطل کا کھٹکا ہوتا ہے ۔ بالجملہ یوں تو یہ کھٹکا ہمیشہ ہی ہوتا ہے پر آجکل پہلے سے زیادہ بائیر نظر آتی ہیں قدیم سے لیکر آج تک جو یہ رہا کہ ایمان کم اور کفر زیادہ تو اس کا باعث یہ تھا کہ خواہش کا غلبہ بخل کا زور دنیا کی آخرت سے عزت زیادہ رہے پھر ہر شخص اپنی عقل پر نازاں اس لئے باوجود اس کے کہ اسلام کے لئے کتابیں نازل ہوئیں پیغمبر آئے معجزے دکھلائے اولیاء کی کرامتیں علماء کے دلائل نے حق وباطل کو ظاہر کر دیا ثواب وعقاب کے وعدے وعید سے بتلایا ڈرایا مطیعوں کو دنیا میں غالب مخالفوں کو مغلوب کیا اور کفر کے لئے ان سامانوں میں سے ایک بھی نہ تھا کفر ہی زیادہ رہا اسلام کبھی عالم میں زیادہ نہ ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وہ احسان کیا کہ کسی صاحب قوم نے اپنی قوم کے ساتھ نہ کیا ہوگا یعنی عذاب شدید اور قید فرعون سے چھڑا کر بادشاہ روئے زمین بنا دیا تسپر وہ اولوالعزمی اور توجہ اور ایسے ایسے معجزے کا ہیکو ہوتے ہیں ادھر توافق ملت اور بھی اطاعت کے لیے سو لیکن بایں ہمہ تسلیم احکام میں یہ وقت تھی کہ پہاڑوں کو سر پر اُٹھا اُٹھا معلق کرنا پڑتا تھا مگر سامری کے ایک کرشمہ بے معنی پر جو ایک صورت مہمل تھی نہ سوال تھا نہ جواب تھا دم کے دم میں سب لٹو ہو گئے حالانکہ وہ کرشمہ بے معنی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اُن کی مدد کے لئے آتے نہ اُن کے اسپ مادہ کی خاک سم کی تاثیر دیکھ کر سامری اس خاک سے اپنا کام لیتا وجہ اس برعکسی کی اور کیا ہے یہی ہے کہ یہ چار باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منشاء کی ترقی کے مانع اور سامری کی ترقی منشا کے لئے مؤید تھی جس میں سے اپنی عقل پر اعتماد کر لینا جس کو بصیغہ اعجاب

کل ذی رأی برأیہ،، ادا کیا ہے۔ خیر خواہی کے بیکار جانیکا سبب اعظم ہے اس وجہ سے اس زمانہ میں ایسی باتوں میں مغز زنی بیہودہ نظر آتی ہے۔ مگر کچھ آپ کا اصرار اور کچھ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد کچھ جناب سید صاحب کے اخلاق و الطاف کی شہرت نظر بریں دردمندی و محبت اسلام نے جو ہمت والوں اور خیر خواہان عالم کیساتھ زیادہ ہونی چاہئے رہنے نہ دیا۔

پرسوں یہ خط ملا تھا بعد ظہر جواب شروع کیا تھا اوقات مختلفہ میں لکھ لکھ کر اس وقت مابین ظہر و عصر تمام کیا۔ پر یہ سوچتا ہوں کہ یارب اس کا انجام کیا ہوتا ہے میرے تغییر و تبدیل و الحاق و تغلیط صحیح سے دیکھئے سید صاحب راضی ہوتے ہیں یا ناخوش ہو کر درپے تردید قلم اٹھاتے ہیں مگر میں نے بھی ٹھان رکھا ہے کہ ایسے جھگڑے پر کر اپنی اوقات خراب نہ کیجیے ہاں اگر آثار انصاف پرستی جناب سید صاحب کی طرف سے نمایاں ہوئے اور بحکم ،، امرھم شوریٰ بینھم،، اپنے خیالات سابقہ و حال میں مجھ سے بھی مشورہ کریں گے تو انشاءاللہ حسب ارشاد ،، المستشار موتمن،، مشورہ خیر سے دریغ نہ کرونگا مگر جب اپنی حیثیت اور اُن کی وجاہت پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال ایک آرزوئے خام نظر آتا ہے اور خود مجھ کو اپنے اس جنون پر ہنسی آتی ہے خیر ہرچہ بادا باد اب تو آپ کی خدمت میں اس سودہ ہی کو ارسال کرتا ہوں پر بنظر مصلحت چند در چند یہ گذارش ہے کہ آپ بہت جلد ان اوراق کی نقل کرا کر مقابلہ کر کے نقل کو جناب سید صاحب کی خدمت میں روانہ کردیں اور اس اصل کو بجنسہ بہت جلد میرے پاس واپس بھیجدیں اور میری طرف سے بعد سلام یہ گذارش کر بھیجیں کہ اگر اثنائے تحریر میں کوئی کلمہ مخالف طبع بوجہ جہل و غفلت مجھ سے سرزد ہو گیا ہو تو معاف فرمادیں کہ ہم قصباتی انداز گفتگو سے خوب واقف نہیں۔ باقی یہ آپ کا ارشاد کہ اجتماع اقرار و توحید و کفر منجملہ محالات ہے بجا ہے کیونکہ ایسا اجتماع ہے جیسا فرض کیجیے کسی روح میں حیوان ناطق اور حیوان ناہق دونوں مجتمع ہو جائیں سو کون نہیں جانتا کہ یہ اجتماع از قسم اجتماع الضدین ہے پر اس میں بھی شک نہیں کہ روح انسانی کا صورت حمار و سگ و خوک میں آجانا اور ویسے ہی ارواح کو ایسے اجسام کے ساتھ متعلق کردینا جس طرح ممکن ہے اور اسی طرح ایمان کا صورت کفر میں ظہور کرنا اور کفر کا صورت ایمان میں ظاہر ہونا بھی ممکن ہے اور اسی طرح کے ظہور کے بعد جیسے روح انسانی کو بوجہ صورت و جسم حیوانی سگ و خوک و خر کی اقسام میں سے شمار کیا جاتا ہے اور مثل حیوانات مذکورہ اس سے بھی ہر کسی کو نفرت ہو جاتی ہے اور تمام یا اکثر معاملات اس وقت اُسکے ساتھ ایسے ہی کئے جاویں گے جیسے اور حیوانات کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ جانتے ہوں کہ اس جسم

کے پردہ میں روح انسانی مستور ہے ایسی ہی اُس اسلام وایمان کے ساتھ جو پیرایہ کفر رکھتا ہو خداوند بے نیاز و جمیل کو بمقتضائے اللہ جمیل یحب الجمال، ایمان کے بُری صورتوں کو پسند نہیں کرتا نفرت ہو جاویگی اور تمام یا اکثر معاملات وہی کئے جاویں گے جو کفر حقیقی کے ساتھ کئے جاتے ہیں زیادہ حکمت بلقمان آموختن است اللہم ہدینا وایاکم الی سواء الصراط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

بعالیخدمت جناب سید احمد خان صاحب عافاہ اللہ وایای فی الدنیا والآخرۃ

کمترین ہیچمداں **محمد قاسم** بعد سلام مسنون گذارش پرداز ہے کہ کل دوشنبہ کے دن دیوبند سے آپ کا وہ عنایت نامہ جس میں تیرہ سوال متعلق زمین وآسمان تھے اس ہیچمدان کے پاس پہنچا اور باعث حیرت ہوا وجہ سوال دیر تک سوچی کچھ سمجھ میں نہ آئی تسپر آپ جیسے عاقل وفہیم وواقف کار کلام اللہ وحدیث کی طرف سے اِن سوالوں کا آنا اور بھی تعجب انگیز ہے. جی تو یہی چاہتا تھا کہ کیوں اس جھگڑے میں پڑیئے اور اپنے اوقات کو خراب کرایئے پر آپ کی عنایتوں کی مکافات تھوڑی بہت ضروری سمجھ کر جواب سوالات تفصیل تو نہیں لکھتا ہاں بتقریب جواب خط کچھ اشارہ کئے جاتا ہوں جناب سید صاحب اپنا تو یہ مشرب ہے اور آپ غور فرماوینگے تو آپ بھی انشاء اللہ ہماری ہی راہ لیں گے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تعلیم زبان ولغات کے لئے تشریف نہیں لائے بلکہ اُسی زبان کے محاورات میں امتیوں کو تعلیم فرمایا ہے جو اُنکی اصلی زبان ہوتی ہے. خود خداوند کریم فرماتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اس صورت میں سماء اور ابواب کے معنی جو کچھ زبان عربی میں ہوں گے وہی لینے ضرور ہوں گے ہاں ہر زبان میں جیسے حقیقی معنوں میں الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور بے تکلف اُن الفاظ سے وہ معانی مراد لیتے ہیں تنبیہ اور قرینہ کے محتاج نہیں رہتے ایسے ہی بعض اوقات بہدایت قرائن معنی مجازی بھی مراد لیتے مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ اس صورت میں معنی مجازی کا لینا خود معنی حقیقی کی تحقیق کی دلیل ہوگا" والعاقل تکفیہ الاشارۃ- علی ہذا القیاس ابواب اور اعداد مثل خمس مائۃ او ستین اور سبعین وغیرہ الفاظ سے معانی وہی مراد لئے جائیں جو معانی عرب کے لوگ ان سے مراد لیتے ہیں اور بایں خیال کہ میرے یا تمھارے خیال میں یہ باتیں اور یہ مضامین محض بے فائدہ سمجھ میں آئے ہوں اُن معانی میں انحراف نہ چاہئے آپ بھی فرمائیں کہ آپ کی اور ہماری عقل ودانش ہی کیا ہے جس کی پتی خدا کی مصنوعات میں رائے لگانے کو تیار ہوں ہمارے وجود میں جس قدر اجزاء بند ہیں اُن کی حقیقت اور انکی

غرض آجتک ہم کو معلوم نہیں ہوئی اور اگر ایک دو کی نسبت کوئی سخن ناتمام کسی نے کہہ بھی لیا تو کیا ہو
اس سارے عالم کی اجزاء اور ارکان ہم کو کیا معلوم ہوں گی اور پھر اُن کے حقائق اور اغراض کی کیا اطلاع
ہو گی اس لئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر کا ذکر ہو ہم کو بے تامل ماننا ضرور ہے
ہاں مراتب اختیار کے موافق مراتب تسلیم و ایمان کا ملحوظ رکھنا ضرور ہے. مگر چونکہ ادنیٰ درجہ کی روایت حدیث
سے بشرطیکہ کسی اعلیٰ درجہ کی روایت یا اپنی کسی مساوی ہی درجہ کے معارض نہ ہو بڑے بڑے مورخوں کی روایتوں
سے زیادہ قابل اعتبار ہے اس لئے کہ محدثین نے جن شرائط کو روایت میں ملحوظ رکھا ہے اوروں سے اُنکا
لحاظ نہ ہو سکا اور نہ اُن کے راوی حدیثوں کے راوی کو پہنچیں وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں تو اس لئے
فرق مراتب مذکور اگر کچھ اثر کرے گا تو اہل ایمان کے حق میں اعتبار ہی کے مراتب کے بڑھانے
گھٹانے میں اثر کریگا موجب بے اعتباری نہ ہوگا۔ بہر حال نہ اپنے خیال کا وہ اعتبار ہے نہ کسی
تاریخ کا وہ اعتبار ہے جس قدر حدیث ضعیف کا اعتبار ہونا چاہئے اور اگر کسی امام نے قیاس کو حدیث
ضعیف سے بڑھ کر بھی سمجھا ہے تو اس کی یہ وجہ ہے کہ قیاس ماخوذ حدیث صحیح یا متواترات سے ہوتا ہے
اس صورت میں حدیث ضعیف سے قیاس بڑھ کر نہ رہا وہ حدیث صحیح یا متواترات اُس سے بڑھ کر
رہی ہاں اگر خدا اور رسول کی طرف جھوٹ بولنے کا احتمال ہو یا قدرت خدا کے سامنے ایسے ایسے
امور عظام کا پیدا کرنا محال ہو تو البتہ ایسی باتوں میں تامل کی گنجائش ہے مگر آپ ہی فرمائیے کہ ان باتوں
میں سے کونسی بات محال ہے خداوند قدیر ایسے سات جسم جن کا دَل تو پان پانسو برس کی مسافت
کے برابر ہے اور وسعت کو خدا جانے نہیں بنا سکتا یا اُن میں پانسو برس کی مسافت کے موافق فاصلہ
نہیں رکھ سکتا اور یا آفتاب و قمر کا اپنے حیز سے حرکت کرنا محال ہے یا آسمانوں میں دروازوں کا ہونا
منجملہ ممتنعات ہے یا سات زمینیں مثل سات توپ کے گولوں کے جدا نہیں بنا سکتا یا اُنکے
بیچ میں پان پانسو برس کا فاصلہ نہیں رکھ سکتا یا اُن میں آبادی نہیں ہو سکتی ممکن اور محال کی تعریف
کو ان امور پر مطابق کر کے دیکھئے معلوم نہ ہو تو پوچھئے ہاں اتنی گذارش ملحوظ رہے کہ محال و ممکن کی
تعریف کسی کسی کو معلوم ہے یہی وجہ ہوئی کہ بڑے بڑے آدمی اکثر ممکنات کو محال سمجھ بیٹھے مگر پہلے سے
کسی کی نسبت یہ گمان کر لینا کہ وہ سمجھتے نہ ہوں گے کسی عاقل کا کام نہیں اور نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ
لفظ خاتم النبیین " سے یہ بات بالیقین سمجھنی ضرور ہے کہ عالم میں اس زمین میں کوئی نبی نہ

یا کسی اور زمین میں سب آفتاب ذات محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مستفید ہیں جیسے آفتاب سے آئینہ مستنیر یا قمر، یا نیرات افلاک یا ذرات خاک یعنی جیسے در و دیوار مقابل آئینہ مستنیرہ کے نور کے تجسس کرتے ہیں تو فرض کرو آئینہ پر نظر پڑتی ہے اور اس کے نور کے بعد معدن کو ڈھونڈتی ہے تو آفتاب تک پہنچتے ہیں اور پھر آفتاب پر سیر ختم ہوجاتی ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آفتاب کا نور کہیں اور سے اسی طرح آیا ہے ایسے ہی اور انبیا کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہوجاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کردینا یا کھیتی میں بال کا سب میں پیچھے ظاہر ہونا۔

اس بات کی تحقیق زیادہ مطلوب ہو تو رسالہ تحذیر الناس، مولفہ احقر مطبع صدیقی بریلی سے منگا دیکھئے اس وقت اور نبیوں میں جو انبیاء آپ کے مشابہ ہوں گے اُن کی مشابہت ایسی ہوگی جیسے عکس آفتاب جو آئینہ میں ہوتا ہے ہو بہو آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے اور پھر سب جانتے ہیں کہ آفتاب اصل ہے اور عکس آفتاب اسی کا پرتو اور نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ جیسے آگ کو دیکھ کر حرارت کی نسبت بھی یقین ہوجاتا ہے اسی طرح حرارت کو کہیں پاکر آگ کا تیقن کم فہمی کی نشانی ہے یہ جدا بات رہی کہ حرارت کے لئے جیسے آفتاب سبب ہوسکتا ہے ایسے ہی آگ بھی سبب ہوسکتی ہے سو طلوع و غروب صیف و شتا خسوف و کسوف کا حساب جیسے اس صورت میں راست آجاتا ہے کہ آفتاب کو ساکن مانئے اور زمین کو متحرک رکھئے ایسے ہی اس طرح بھی برابر آتا ہے کہ آفتاب کو متحرک کہئے اور زمین کو ساکن تجویز کیجئے علی ہذا القیاس اگر آفتاب کے لئے حرکت سالانہ ہو اور زمین کے لئے حرکت وضعی مخالف جہت حرکت آفتاب ہو تب بھی یہی ثابت ہے اور اگر دونوں کو متحرک فی المدارین رکھئے پر ہر ایک کی حرکت جدا ہو اور سرعۃ و بطوء میں یہ حساب ہو کہ جتنی دیر میں بطلمیوسیوں کے نزدیک آفتاب اپنا دورہ پورا کرتا ہے اس سے دو چند دیر تو اس کے لئے رکھئے اور جتنی دیر میں فیثاغورسیوں کے نزدیک زمین اپنی حرکت وضعی پوری کرتی ہے اس سے دو چند دیر اس کے لئے رکھئے تو بھی حساب برابر آئے اور اگر سرعۃ و بطوء میں اس تفاوت کے سوا اور تفاوت تجویز کیجئے پر جتنا ادھر گھٹتا ہے اُدھر اتنا ہی بڑھا دیجئے مثلاً یہ چالیس گھنٹہ میں دورہ پورا کرے تو بہ چھپن میں حرکت مجوزہ طرفین سے کسی کی حرکت زیادہ سریع ہو تو پھر ہزار احتمال نکل آئیں گے اس صورت میں یقین احتمال واحد بالیقین اس سے بھی زیادہ نادانی کی بات

ہے کہ کسی پتھر کی فقط حرارت کے وسیلہ سے آگ کا یقین کر لینا کیونکہ وہاں دو ہی اصل تھی یہاں غیر متناہی
احتمال ہیں ہاں جیسے آگ کے وسیلہ سے پتھر کی حرارت کا یقین اپنی آنکھ کے بھروسے یا کسی مخبر صادق کے
بھروسے کرسکتے ہیں ایسی ہی تعین احتمال واحد یعنی حرکتِ آفتاب بوسیلۂ قرآن شریف یعنی جہتِ یسبحون
وغیرہ اور نیز احادیث کثیرہ کرسکتے ہیں باقی اس سے زیادہ گفتگو کرنی کہ پھر زمین بالکل ساکن ہی ہے یا کوئی
حرکت اس کی بھی ہے اور کواکب میں آبادی بھی ہے یا نہیں اور زمین ٹھوس ہے یا اس کے بیچ میں کچھ
خلو یا آبادی بھی ہے اور آسمان محیط عالم کروی یا بیضوی ہے یا مثل تختہ مسطحہ ہے ایک سبع چیز اور سبع سیارہ میں
سے ہر ایک کے لئے آسمان ہے یا ایک ہی میں مرکوز ہیں یا کسی میں مرکوز نہیں تو ان میں افلاک جزئی ہیں یا آسمان
کا ثخن ایک جسم سیال ہے اور اسی وجہ سے کواکب اس طور سے متحرک ہیں کہ قرب و بعد مشہودہ صحیح ہو جاتا ہے اور
بایں ہمہ مثلِ آب حوض کہ باوجود تحرک و سیلان کے مجموعہ کا حیز وہی رہتا ہے آسمان بھی اپنے حیز سے نہیں
نکل جاتا علیٰ ہذا القیاس یہ بات کہ ان دروازوں میں کنڈے زنجیر بھی ہیں یا انگریزی کھٹکے ہیں اور ایسی ہی
یہ بات کہ کواکب تمام بالذات روشن ہیں یا بالعرض یہ ساری باتیں ہماری توجہ و توغل کے قابل نہیں کیونکہ امکان
ہر طرح کا ہے مخبرِ صادق کی طرف سے کوئی تصریح نہیں ہاں عرش کرسی میں بعضے الفاظ اس جانب مشیر
ہیں کہ یہ دو چیزیں ہفت آسمان سے علیحدہ ہیں اور بعض الفاظ اس جانب موہم ہیں کہ انہیں میں دو کا
نام عرش کرسی ہے مگر چونکہ اس باب میں شارع کی طرف سے نہ کوئی تصریح ہے نہ کوئی تکلیفِ عقیدہ براہ
استدلال اس لئے نہ آپ کو اس باب میں سوال مناسب ہے نہ ہم کو جواب واللہ اعلم بالصواب۔

بالجملہ جیسے اس جملہ میں کہ کچھری کھل گئی یا اس کا دروازہ کھل گیا بعد استماع اور علم وضع حاجت تحقیق نہیں رہتی
کہ دروازہ سے کیا مراد ہے اور کچھری کی کیا حقیقت اسی طرح نصوصِ شرعیہ معلوم الوضع غیر متشابہ اور متشابہ کو
سنکر ان کے معانی یا حقیقت میں متامل ہونا آپ سے عاقلوں کا کام تو کیا جاہلوں کا کام بھی نہیں اور
جو بات شارع کی طرف سے بیان ہوئی اور احتمالات عقلی اس میں گوناگوں ہوں اس کی تحقیق بغرض عقیدہ
محض تضییع اوقات ہے اور اگر خدا نخواستہ یاس سخن ہے اور آپ سے عاقلوں کو کا ہے کو ہوگا تو اس وقت
نہ پوچھنے سے کچھ فائدہ نہ بتلانے سے کچھ نفع والسّلام فقط

شکر ہے کہ سید احمد خاں صاحب کے خط کا جواب ختم ہوا۔

تمت